شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ | جلد ۱ شمارہ ۸ | ستمبر ۲۰۰۶ء

جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال

سرگودھا



بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ ستمبر ۲۰۰۶ء فہرست



خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فون: 048-6786002/6786899

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائز پرنٹنگ پریس بلاک 8 سرگودھا

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدارس دینیہ کی ضرورت واہمیت

یہ ایک نا قابل انکار مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان کی پوری زندگی شریعت کے مطابق بنانے کا دارومدار علوم اسلامیہ کے حصول پر ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات ہی عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ اور اخلاق حمیدہ کا ذریعہ ہیں اور تعلیمات اسلامیہ کے حصول کا واحد ذریعہ مدارس عربیہ اسلامیہ ہیں، دینی مدارس علوم قرآنیہ ونبویہ کی اشاعت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں، جن میں اساتذہ شب وروز طلبہ کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں، قابل صد مبارک باد ہیں، ان طلبہ کیلئے اللہ کی تمام مخلوق دعا کرتی ہے اور ملائکہ اپنے پر بچھاتے ہیں۔مدارس اسلامیہ پر یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور انوارات برستے ہیں جنہوں نے علم وعمل کا سلسلہ قائم کررکھا ہے، جن میں دن رات قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں گونجتی ہیں، اسی وجہ سے مدارس عربیہ اسلامیہ ایسی اہمیت کے حامل ہیں جس سے کسی حال میں کوئی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا۔

اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ دار ارقم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں کوہ صفا کے دامن میں قائم فرمایا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان، قرآن، اخلاق اور نماز کی تعلیم فرماتے تھے، دوسرا مدرسہ مسجد نبوی اور اس کے ساتھ صفہ نامی چبوترہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی بنایا، ابتداء اسلام میں چونکہ علوم اسلامیہ کے معلم اول اور واحد استاذ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اس لئے عہد نبوی میں یہی دو بڑے مدرسے ہوئے مگر عہد صحابہ میں صفہ کا ہر فاضل ایک مستقل مدرسہ تھا، علوم نبویہ کا مبلغ تھا، اخلاق نبوی سے آراستہ تھا، جو جہاں بیٹھا علوم نبویہ کی اشاعت کا مرکز بن گیا جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم دین کے تین مرکز تھے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ، مکہ کے صدر مدرس حضرت عبداللہ بن عباس، مدینہ کے صدر مدرس حضرت عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور کوفہ کے صدر مدرس عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم تھے''۔اس کے بعد بصرہ، شام، یمن، مصر، واسط اور خراسان وغیرہ میں مدرسے قائم ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردوں اور فیض یافتگان نے انہی کی طرز پر وہاں تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۸۵۷ھ کے بعد جب اقتدار اعلیٰ پر انگریز کا قبضہ ہوا تو دینی مدارس کو بند کر دیا گیا، علماء کو تختۂ دار

پر لٹکایا گیا، کسی کو توپوں کے دہانوں پر باندھ کر گولوں سے اڑا دیا، کسی کو دور دراز جیلوں اور جزیروں میں بند کر دیا، مدارس کی املاک وقف پر ناجائز قبضہ کرلیا اور وظائف بند کر دیئے، ان نامساعد حالات میں چند اہل اللہ نے مل کر نہایت سادگی، بے سروسامانی اور خاموشی کے ساتھ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ دیوبند (ہندوستان) میں مسجد چھتہ کے صحن میں مشرقی جانب انار کے درخت کے نیچے دارالعلوم کی بنیاد رکھی، اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے دہلی، سہارنپور، مرادآباد اور دیگر اضلاع میں دینی مدارس قائم ہوئے۔

متحدہ ہندوستان کی حالت زار کو سامنے رکھئے، ۱۲۷۴ھ کے بعد پیش آنے والے انقلابات کو دیکھئے، اسلام پر ہونے والے حملوں کو شمار کرنا مشکل ہو جائے گا، ایسے کٹھن حالات میں مسلمانوں میں جو دینی جذبات اور اسلامی اقدار نظر آ رہی ہیں یہ انہی مدارس کی کوششوں کا ثمرہ ہے، جب یہاں مسلمانوں کی حکمرانی ختم ہوئی اور نظام اقتدار کفر کے ہاتھوں میں آیا تو اس موقع پر اکابرامت کی فراست نے محسوس کیا کہ شعائر دین کی بقاء، دینی اداروں کی تاسیس، مساجد اور مدارس کی تعمیر کیلئے اگر عام مسلمانوں کو تربیت نہ دی گئی اور تعلیم وتربیت، فتویٰ وقضاء اور امامت وخطابت کے مناصب کا بطور خاص انتظام نہ کیا گیا تو اس خطہ میں اسلام باقی نہ رہے گا، حق تعالیٰ کے فضل سے عام مسلمانوں میں حفاظت دین کا جذبہ بیدار رہا اور دین جوں کا توں محفوظ رہا، یہ دینی مدارس کے فوائد وبرکات ہی ہیں کہ لاکھوں بچے قرآن مجید کے الفاظ کو اپنے سینوں میں محفوظ کر رہے ہیں، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علوم حاصل کر رہے ہیں، یہ مدارس ہی ہیں جو امت کو مفسرین، محدثین، علماء، فقہاء اور حفاظ کی ایک بڑی تعداد فراہم کر رہے ہیں اور امت کی دینی، اخلاقی اور روحانی تعلیم وتربیت کا اہم فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ قوم اور معاشرے میں ان لوگوں کی بدولت کم از کم دین کا شعور اجاگر ہے، خداپرستی کا احساس بیدار ہے، حرام وحلال، اطاعت ومعصیت، عذاب وثواب کی تمیز باقی ہے اور کسی نہ کسی درجے میں خوف خدا اور خوف آخرت ضرور باقی رہتا ہے اور کسی نہ کسی وقت اس کے برکات ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ دینی مدارس ہی کی برکت ہے کہ جگہ جگہ مسجدیں آباد ہیں جن میں پانچ وقت اذان گونج رہی ہے، عربی جامعات میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہیں، حاملین علوم انبیاء تیار کئے جا رہے ہیں، مکاتب قرآن جگہ جگہ بے شمار کھلے ہوئے ہیں اور قرآن پاک کی تعلیم جاری ہے، وعظ وتذکیر کے حلقے اور اجتماعات قائم ہیں، تبلیغی جماعتوں کے دورے جاری ہیں، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ بتانے کیلئے جگہ جگہ دارالافتاء قائم ہیں اور عوام کی دینی رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔

مدارس کے قلیل وسائل اور بے پناہ خدمات کو دیکھتے ہوئے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ کسی صالح اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے دینی تعلیمات اور مدارس دینیہ کا قیام ازحد ضروری ہے، بلاشبہ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی یہی دینی مدارس اور تعلیم گاہیں ہیں، پاکستان کی روح یہی مسجدیں اور دینی ادارے ہیں، اگر آج مسلمانان پاکستان کی توجہات اور کوششیں نہ ہوتیں تو دین کا وہی حشر ہوتا جو مغرب و اسپین میں ہوا۔

دینی مدارس کے چند اہم مقاصد یہ ہیں (۱) قرآن وسنت اور دیگر علوم اسلامیہ کی حفاظت (۲) مسلم معاشرہ کی قرآن وسنت سے وابستگی (۳) عربی زبان کی ترویج، تعلیم اور تشہیر (۴) مساجد اور مدارس کے نظام کا قیام اور ان کیلئے ائمہ وخطباء اور مدرسین کا انتظام (۵) یورپ کی تہذیبی اور نظریاتی یلغار کی مدافعت (۶) اسلامی عقائد ومعاشرت کی بقا (۷) جدید عقلیت کے پیدا کردہ اعتقادی ونظریاتی فتنوں سے مسلمانوں کی حفاظت۔

ان مقاصد کے حصول کیلئے ضروری تھا کہ یہ مدارس سرکار سے آزاد رہیں، اسی وجہ سے دینی مدارس کیلئے سرکاری فنڈ لینے سے اجتناب کیا گیا، دینی مدارس کے منتظمین، اساتذہ اور طلباء نے ان مقاصد کے حصول کیلئے عیش وعشرت کی زندگی کو ترک کرکے زہد وورع کی زندگی اختیار کی اور اپنی مدد آپ کے تحت کام کرنے والے یہ دینی مدارس برطانوی استعمار کی نظریاتی وتہذیبی یلغار کی جنگ میں مسلمانوں کیلئے مضبوط قلعے ثابت ہوئے۔

استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں ’’اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی تشخص کی بقاء کی خاموش جنگ بھی دینی مدارس لڑ رہے ہیں، اس وقت پاکستانی معاشرے میں اگر اسلامی تشخص کی کچھ جھلک دکھائی دیتی ہے تو یہ دینی مدارس کا فیض واثر ہے، اسلامی تشخص اور اسلامی تہذیب پر فرنگیوں کا حملہ اس وقت ایک بڑا فتنہ ہے اور اس حملے میں شکست کھا کر کئی اسلامی ممالک اپنا اسلامی تشخص کھو بیٹھے ہیں، لیکن الحمدللہ برصغیر میں دینی مدارس اس حملے کا خاموش مقابلہ کر رہے ہیں، یہاں پڑھنے والوں اور یہاں سے تعلیمی تعلق رکھنے والوں کی وضع قطع، رہن سہن، بود وباش اور طرز زندگی اسلامی تعلیم کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں اسلامی تہذیب وتشخص نمایاں نظر آتا ہے اور اسی کے مطابق ان کی تربیت پر توجہ دی جاتی ہے‘‘۔

(سہ ماہی وفاق المدارس شمارہ ۴ ج ۲ ص ۴)

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب کا معنی اور العالمین کی تشریح

مختصر ابتدائی جملہ الحمد للہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی صفت رب العلمین ذکر فرمائی ہے، ذیل میں اس کی مختصر تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

رب کا معنی تربیت کرنے والا ہے اور مراد ہر چیز کو آہستہ آہستہ بتدریج کمال تک پہنچانا ہے، ہر صفت کا اپنا اپنا مفہوم ہوتا ہے، جیسے ابداع کا معنی ایجاد کرنا اور خلق کا معنی پیدا کرنا، اسی طرح ربوبیت کا معنی تربیت کرنا، پرورش کرنا لیکن مطلق تربیت کرنا اس کا مفہوم نہیں ہے بلکہ حالاً فمالاً یعنی بتدریج آہستہ آہستہ بڑھانے اور تربیت کرنے والے کو رب کہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو اس کی تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھایا جائے یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے اس کو تربیت کہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان اور صفت ہے اور صفت بھی ایسی جو ان کی ذات پاک کیلئے مخصوص ہے اور اسی لئے بغیر نسبت اور اضافت کے مخلوق میں سے کسی کو رب کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہر مخلوق محتاج تربیت ہے، وہ کسی دوسرے کی کیا تربیت کر سکتی ہے۔

العلمین جمع لانے کی وجہ

العلمین عالم کی جمع ہے، چونکہ جہان صرف ایک نہیں ہے بلکہ بہت سے ہیں اس لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے، اس میں اگر چہ دنیا کی تمام اجناس، آسمان، چاند، سورج اور تمام مخلوقات، حیوانات، انسان، نباتات، جمادات سب ہی داخل ہیں اور رب العلمین کے معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ تمام اجناس کائنات کی تربیت کرنے والے ہیں، لیکن یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ جیسے یہ ایک عالم ہے جس میں ہم بستے ہیں اس جیسے اور ہزاروں اور لاکھوں دوسرے عالم ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں اس لئے ان کے واسطے یہ کچھ مشکل نہیں کہ وہ لامتناہی خلا میں اس عالم کی طرح اور بھی ہزاروں عالم بنا دیں، چنانچہ مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ عالم اسی ہزار ہیں، چالیس ہزار خشکی کے اور چالیس ہزار سمندر میں، حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ عالموں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں

جانتا، انہوں نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی وما یعلم جنود ربك الا ھو۔

ایک شبہ کا جواب

پہلے گذر چکا ہے کہ عالموں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور حق تعالیٰ شانہ کی قدرت سے لامتناہی خلا میں عالموں کا پیدا کرنا کچھ بھی بعید نہیں، اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ خلا میں انسانی مزاج کے مناسب ہوا نہیں ہوتی، اس لئے انسان یا حیوان وہاں زندہ نہیں رہ سکتا۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ اس عالم سے خارج خلا میں جو دوسرے عالم کے باشندے ہوں ان کا مزاج بھی ہمارے عالم کے باشندوں کے مزاج وطبائع، ان کی غذا و ہوا یہاں کے باشندوں کے مطابق ہو؟ وہ ہم سے بالکل مختلف بھی تو ہو سکتے ہیں۔ آٹھ سو سال پہلے امام رازی رحمہ اللہ نے اس شبہ کا جو جواب لکھا تھا آج کے سائنسی اور ترقیات کی روشنی سے بھرپور دور کے خلائی مسافروں نے بھی اس کی تصدیق کر دی ہے، انہوں نے واضح لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ اس عالم سے باہر کی خلا کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے، نیز ماہر سائنسدانوں کی بھی یہی رائے ہے کہ ہر عالم کی جدا جدا خصوصیات بالکل قرین عقل و قیاس ہیں، ایک عالم کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، امریکی خلائی مسافر جان گلین نے خلا کے سفر سے واپس آ کر جو مقالہ شائع کرایا ہے وہ اس سلسلہ کی جدید معلومات کے ساتھ امام رازی رحمہ اللہ کی تائید کیلئے کافی وشافی ہے۔

قرآن کریم کے اس مختصر جملے کے ساتھ اب تمام عالم اور اس کی کائنات پر نظر ڈالئے اور بچشم بصیرت دیکھئے کہ حق تعالیٰ نے تربیت عالم کے ساتھ کیسا مضبوط، محکم اور محیر العقول نظام بنایا ہے اور افلاک سے لے کر عناصر تک، سیارات اور نجوم سے لے کر ذرات تک ہر چیز اس سلسلہ نظام میں بندھی ہوئی ہے اور حکیم مطلق کی خاص حکمت بالغہ کے تحت ہر چیز اپنے اپنے کام میں مصروف ہے، ایک لقمہ جو انسان کے منہ تک پہنچتا ہے اگر اس کی پوری حقیقت تک انسان غور کرے تو معلوم ہوگا کہ اس کی تیاری میں زمین و آسمان کی تمام قوتیں اور کروڑوں انسانوں اور جانوروں کی محنتیں شامل ہیں، سارے عالم کی قوتیں مہینوں مصروف عمل رہیں تب یہ لقمہ تیار ہوا اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ انسان اس میں غور و تدبر کرے اور سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لے کر زمین تک اپنی تمام مخلوقات کو اس کی خدمت میں لگا رکھا ہے، تو جس ہستی کو اس نے مخدوم کائنات بنا رکھا ہے وہ بھی بے کار اور بے ہودہ نہیں ہو سکتی، اس کے ذمے بھی کوئی کام ہوگا، اس کے ذمے بھی کوئی خدمت ہوگی، قرآن کریم نے انسانی آفرینش اور

اس کے مقصد حیات کو اس آیت میں واضح فرمایا ہے وما خلقت الجنّ والانس الالیعبدون میں نے جن وانسان کو اور کسی کام کیلئے نہیں بنایا بجز اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے جہانوں کے خالق ہیں اور مالک بھی اور پرورش کرنے والے بھی، انہوں نے صرف مخلوق کو وجود ہی نہیں دیا بلکہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے، وہ رزق بھی دیتا ہے، کھلاتا ہے، پلاتا ہے، ہر فرد تک رزق پہنچاتا ہے، جس سے جسم بڑھتا ہے اور خون پیدا ہوتا ہے، وہ رگوں میں دوڑتا ہے اور یہ سب کچھ بقاء حیات کا سبب بنتا ہے، جتنے بھی اسباب معاش ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائے ہیں، ان سب سے شان ربوبیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے، نئی نئی تحقیقات سے اجسام کے پلنے بڑھنے کے جو راز منکشف ہوئے ہیں انسانی عقل وشعور کیلئے بہت حیرت ناک ہیں، زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھا جائے، طرح طرح کے غلے، پھل اور میوے، مختلف سبزیاں، ترکاریاں وجود میں آرہی ہیں، انسان اور جانوران کو کھاتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں، جس کا جو رزق مقرر ہے وہ اس کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے، ایک براعظم کی پیداشدہ چیزیں دوسرے براعظم کے لوگ کھا کر اور استعمال کر کے جی رہے ہیں۔

پالنے کے مفہوم میں صرف جسمانی غذائیں ہی نہیں آتیں بلکہ ہر وہ چیز آجاتی ہے جو زندگی اور بقاء کا ذریعہ ہو، اجسام کی پرورش کے ساتھ روح کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو زندگی کیلئے اصل چیز ہے اور جو معیشت کے آلات اور اسباب ہیں اور جسم کے اعضاء وجوارح ہیں یہ سب پرورش کا ذریعہ ہیں۔

تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ ربّ العلمین ایک حیثیت سے پہلے جملے الحمدللّٰہ کی دلیل ہے کہ جب تمام کائنات کی تربیت وپرورش کی ذمہ داری صرف ایک ذات اللہ تعالیٰ کی ہے تو اب حمد وثنا کی حقیقی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی ہے، اس لئے سورت فاتحہ کی پہلی آیت الحمدللّٰہ ربّ العلمین میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ ایمان کے سب سے پہلے رکن توحید باری تعالیٰ کا بیان بھی مؤثر انداز میں آگیا۔

(معارف القرآن، انوارالبیان، معالم العرفان)

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

صفات عظمت وجلال کے ساتھ صفات رحمت ولطف وکرم کو بھی سوچنا چاہئے

(۱۵) اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال میں تفکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم اور احسان کو بھی سوچنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد خلق الانسان من علق کے معنی تو اوپر گذر چکے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جس مضمون کو بیان فرمایا ہے اس میں غور کیا جائے اور یہ (فکر) عظمت وجلال (کے غلبہ) کو مقتضی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اقرأ وربك الاكرم پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ اور یہ نام ان تمام ناموں کے معانی پر مشتمل ہے جو (اللہ تعالیٰ کے) لطف واحسان کو ظاہر کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے فضل کے صدقہ سے ہمارے ساتھ اسی کے موافق معاملہ فرمائیں۔ اور تنہا اللہ کی عظمت میں فکر کرنا اور اس کے مقابل صفات کو نہ سوچنا جو ممنوع ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ جو شخص تنہا عظمت ہی میں فکر کرتا ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ فکر اس کو ہلاکت کے سمندر یعنی یاس اور ناامیدی میں نہ پہنچا دے اور جب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت واحسان کو بھی سوچے گا تو اس سے مامون رہے گا۔

(الوجه السابع والثلاثون فيه دليل على ان المتفكر في عظمة اللّٰه الى قوله امن من ذلك)

ف: صوفیہ محققین کو اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے کہ صفات عظمت وجلال اور صفات لطف وکرم دونوں کا ساتھ ساتھ مطالعہ کیا جائے تاکہ نہ دلیری اور بے باکی پیدا ہو نہ یاس اور ناامیدی ۱۲

تکلیف کے وقت دوا کرنا سنت ہے

(۱۶) حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ جس کو کوئی تکلیف پیش آئے اس کو اپنی عادت کے موافق دوا (اور تدبیر وعلاج) کرنا جائز ہے جب تک کہ اس میں کوئی حرام چیز نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب خوف کا اثر ہوا تو آپ نے گرمی حاصل کرنے کی تدبیر کی جس کے (ایسے وقت میں)

آپ عادی تھے چنانچہ فرمایا مجھے کمبل اوڑھادو، کمبل اوڑھادو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ بھی) ارشاد فرمایا ہے تداوی کل نفس بما اعتادت ہر شخص اپنی عادت کے موافق علاج کرے۔

(الوجه الثامن والثلاثون فيه دليل على ان من اصابه امرفله ان يتداوىٰ الى قوله تداوىٰ كل نفس بما اعتادت)

ف: بعض لوگ دوا اور علاج کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہوسکتا جب آپ نے دوا اور علاج سے پرہیز نہیں کیا تو اس کو خلاف توکل ہرگز نہیں کہا جاسکتا ۱۲۔

کلام میں اختصار مطلوب ہے

(۱۷) حدیث کا یہ لفظ کہ آپ نے جو کچھ دیکھا تھا ورقہ سے بیان فرمادیا اس بات کی دلیل ہے کہ کلام میں اختصار ہی مطلوب اور بہتر ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے فرشتہ کے ساتھ جو قصہ آپ کو پیش آیا تھا پہلے بیان کردیا تھا پھر اس کی طرف ضمیر لوٹا کر اشارہ فرمادیا اور قصہ کا دوبارہ ذکر کرنے اور گفتگو کو طول دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ جملہ اہلِ عرب کی فصیح گفتگو میں سے ایک ہے (یا یہ کہ اہلِ عرب کی فصیح گفتگو کا یہی طریقہ ہے)

(الوجه الاربعون قولها فاخبرهاالخبرالى قوله وهومن فصيح كلام العرب)

ف: صوفیہ کو آداب کلام کا بہت اہتمام ہے فضول اور زائداز کار باتوں سے بہت احتیاط کرتے اور اختصار کلام کی تاکید کرتے ہیں بشرطیکہ ایسا اختصار نہ ہو جو مقصود ہی کو ادا نہ کرے ۱۲۔

واقعات مہمہ کو اپنے گھر والوں اور دوستوں سے بیان کردینا جائز ہے

(۱۸) حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ آدمی کو جب کوئی امر مہم (یعنی مہتم بالشان واقعہ) پیش آئے تو اس کو جائز ہے کہ اس کو اپنے گھر والوں اور عقیدت مند دوستوں سے بیان کردے بشرطیکہ وہ دیندار اور صاحب عقل ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ (فرشتہ کے آنے اور دبانے اور وحی لانے کا) پیش آیا تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بیان فرمادیا اور حضرت خدیجہ کا درجہ دین اور درستی رائے اور عقل صائب میں جو کچھ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

(الوجه الخامس والاربعون فيه دليل على ان المرأ اذا اصابه امر مهم الى قوله بحيث لايخفى)

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

☆ فرمایا ترجیح الراجح کا جو سلسلہ میرے یہاں ہے تو مجھے تو جب اپنی غلطی معلوم ہو جاتی ہے میں رجوع کر لیتا ہوں چاہے ایک بچہ ہی کے کہنے سے معلوم ہو جائے، مگر تعجب تو یہ ہے کہ اس پر بعض علماء نے اعتراض کیا ہے کہ استقلال نہیں ہے مزاج میں، کبھی کچھ کہہ دیا کبھی کچھ کہہ دیا، گویا جو بات ایک دفعہ منہ سے نکل جائے اسی پر اڑا رہنا چاہئے، شیخ اکبر کا قول ہے الصدیق یتقلب فی کلّ یوم سبعین مرّۃً بس جب حق واضح ہو گیا قبول کر لیا اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ پہلا قول یعنی مرجوع عنہ حق ہے اسے قبول کر لیا، میں نے بعض مسائل سے رجوع کیا ہے پھر اس رجوع سے رجوع کیا ہے دونوں قسم کی تحریریں موجود ہیں۔

☆ جب مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے اس قدر صدمہ ہوا ہے کہ اگر ایک چیز میرے اندر نہ ہوتی تو میں ہلاک ہو جاتا، لوگوں نے پوچھا حضرت وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا میاں وہی جس سے تم مجھے بڑا سمجھتے ہو، لوگوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتایا کہ نسبت مع اللہ اور یہی وہ چیز تھی جس نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو زندہ رکھا، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر جیسا عاشق کیسے زندہ رہتا (اس کے بعد حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کا وہ مکالمہ ارشاد فرمایا جو جہاز میں اثنائے سفر حج میں ہوا تھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت حاجی صاحب سے اس کا فیصلہ کرایا گیا تھا اس کو پہلے لکھا جا چکا ہے، ۱۲ جامع)

☆ فرمایا ہمارے حضرت کے یہاں مضامین تو بہت عالی تھے مگر اصطلاحات نہ تھیں، ہاں کبھی کبھی بشرط شے اور بشرط لا شے بھی حضرت کی زبان سے نکلا ہے، یہ سن کر ایک معقولی عالم کو تعجب ہوا کہ اصطلاحات تو علوم کے کسب میں آتی ہیں حضرت کے یہاں کیسے ہیں؟ یہ وسوسہ ہوا تھا کہ فوراً فرمایا کہ معانی کا القاء کبھی بدون الفاظ کے ہوتا ہے اور کبھی مع الفاظ کے، یعنی اس وقت اس مضمون کا القاء مع الفاظ کے ہوا ہے۔

☆ فرمایا غالباً کسی کتاب میں تو نہیں دیکھا ہے کسی بزرگ سے سنا ہے کہ حضرت جنید رحمہ اللہ

کو کسی خلیفہ نے بلایا اور سخت گفتگو کی ،حضرت شبلی رحمہ اللہ بھی ساتھ تھے ، یہ خادم خاص تھے ، جب سخت گفتگو ہوتی تو حضرت جنید رحمہ اللہ بھی جواب ترکی بہ ترکی دیتے رہے ،حضرت شبلی رحمہ اللہ کو خلیفہ کی گفتگو ناگوار گذر رہی تھی ، وہاں ایک قالین تھا مصور جس پر شیر کی تصویر تھی ، جب خلیفہ کوئی سخت لفظ کہتا حضرت شبلی اس تصویر کی طرف نظر فرماتے اور وہ سچ مچ کا شیر بن کر کھڑا ہو جاتا ،پھر جب حضرت جنید اس کی طرف نظر فرماتے تو وہی شیر قالین بن جاتا ، خلیفہ مصروف تھا اس نے دیکھا نہیں ، ایک بار جو دیکھا تو وہ شیر بنا ہوا کھڑا تھا ، خلیفہ گھبرا گیا اور بھاگنے کا ارادہ کیا ،حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا آپ ڈریئے نہیں اور حضرت شبلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ بچہ ہے ایسی حرکت یہ کر رہا ہے ،مگر میں آپ کو کوئی گزند نہ پہنچنے دوں گا ،غرض حضرت شبلی رحمہ اللہ تصرف کرتے تھے اور حضرت جنید رحمہ اللہ اسے مٹا دیتے تھے ۔

☆ پٹھانوں کے ذکر میں فرمایا کہ ایک عورت مولد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئی تو اس پر بہت اثر ہوا اور جوش میں کہنے لگی قربان جاؤں ، بل جاؤں ،میرے حضرت ایسے تھے ،میرے حضرت ایسے تھے ،مگر بے عیب ذات خدا کی ایک کسر بھی رہ گئی کہ پٹھان نہ تھے ،اگر پٹھان ہوتے تو کوئی کسر نہ رہتی (نعوذ باللہ)اس غریب کے نزدیک سب سے بڑی شرافت تھی پٹھان ہونا ۔

☆ فرمایا ایک پٹھانی احقر کی مرید تھی ایک دفعہ گھر آ کر کہنے لگی مولوی جی ! مجھے بہت تکلیف ہے ناداری کی اور تنگی کی ، پھر ڈری اور کہنے لگی بس مولوی جی ! زیادہ نہیں کہتی کبھی اللہ میاں یوں کہیں کہ میرے عیب کھولتی پھرتی ہے ،اس نے شکایت اور عیب میں فرق نہیں کیا ،کیسی سادگی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی خشیت بھی کیسی غالب تھی ۔

☆ ان لوگوں کی سادگی کے سلسلہ میں فرمایا ایک شخص مدرسہ دیوبند کے دروازہ پر مولانا محمد یعقوب صاحب کی تعریف کر رہا تھا کہ ایسے ہیں ،ایسے ہیں ،اور کہا کہ بس فرعون بے سامان ہیں (لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ)

☆ ایک بی بی نے دریافت کرایا کہ میں پانچ روپیہ پیش کرنا چاہتی ہوں ، جواب لکھا کہ مناسب نہیں ، پھر فرمایا کہ یہ بی بی لڑکیاں پڑھاتی ہیں ، بیوہ ہیں ، کچھ زیادہ آمدنی نہیں اور ان کے شوہر بہت نیک آدمی تھے ۔

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی

سیاسی خدمات

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے تحریک پاکستان میں جو سیاسی خدمات انجام دی ہیں ان کی تفصیلات حضرت مولانا کی خودنوشت سوانح حیات ''انوارالنظر'' اور دوسری مطبوعہ تحریرات میں شائع ہوچکی ہیں، اس وقت اختصار کے ساتھ مولانا کی چند خدمات کا انہی مطبوعات کو سامنے رکھ کر بطور مشتے ازخروارے ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ مولانا اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں، آپ موجودہ دور کے بہت بڑے صاحب درس وتصانیف علماء میں سے ہیں اوردور حاضر کے علماء کی صف اول میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

تعلیم وتعلم

مولانا دیوبند میں ۱۳۱۰ھ میں پیدا ہوئے، آپ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے حقیقی بھانجے ہیں، دیوبند میں ابتدائی تعلیم کے بعد بچپن ہی میں اپنے ماموں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں آ گئے تھے، پھر حضرت تھانوی ہی کی تجویز سے جامع العلوم کانپور اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم کی تکمیل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے، اس کے بعد تھانہ بھون میں قیام کیا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے زیر سایہ علمی وتحقیقی کاموں درس، افتاء اور بلند پایہ حدیثی اور فقہی تالیفات میں مصروف ہوگئے اور تھانہ بھون کو آپ نے اپنا وطن بنالیا۔ مولانا نے تھانہ بھون کے علاوہ کچھ عرصہ مدرسہ راندیر یہ رنگون اور مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ، ڈھاکہ یونیورسٹی، مدرسہ عالیہ ڈھاکہ، جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ میں بھی علمی وتدریسی خدمات سرانجام دی ہیں اور اب دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار ضلع حیدرآباد میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ مولانا موصوف ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے نہ یہ کہ قیام پاکستان کی حمایت میں صرف فتاویٰ جاری کئے بلکہ خوداس تحریک میں بنفس نفیس شریک ہوکر حصہ لیا اور عملی طور پر اس کیلئے جدو جہد اور سعی بلیغ سے کام لیا اور شب وروز کی انتھک محنت اور کوششوں اور مجاہدانہ بیانات اور عملی سرگرمیوں کے ذریعہ اس تحریک میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا نظریہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک غیر منقسم ہندوستان میں کانگریس کی شرکت اور ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل اس لئے مضر تھا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں، ان کے نظریات الگ، طور طریق الگ، تعلیم وتمدن الگ ہیں، اور یہی اسلام کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم دوقومی نظریہ اوراصول ہے جس پر پاکستان کی بنیاد ہے، مولانا اس نظریہ اوراصول کی حمایت اور کانگریس کی متحدہ قومیت کے ساتھ اختلاف میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نہ صرف موافق بلکہ ان کے دست راست اور رفیق کار رہے اور حضرت کے ارشاد پر عملی خدمات میں آگے آگے رہے اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مسلم لیگ اور کانگریسی آویزش کے دوران جب بہت سے سوالات حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں آئے تو حضرت کے ارشاد سے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے ہی گیارہ بارہ سوالات جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کو بھیجے تھے، مسلم لیگ کے جوابات سے چونکہ حضرت تھانوی کو اطمینان ہوگیا تھا اس لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان فرمادیا تھا۔

لیگ کے اجلاس پٹنہ میں شرکت

۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس جب پٹنہ میں ہوا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، مولانا شبیر علی صاحب تھانوی پر مشتمل ایک وفد روانہ کیا اور ایک پیام بھی اجلاس میں پڑھنے کیلئے بھیجا جس کو مولانا ظفر احمد صاحب نے ہی اجلاس میں پڑھ کر سنایا۔

قائداعظم سے ملاقات

اجلاس پٹنہ سے ایک دن پہلے اس وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی، مولانا ظفر احمد صاحب نے قائداعظم سے فرمایا کہ مسلمان ایک مذہبی قوم ہے، جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ ملایا نہ جائے گا کامیابی نہ ہوگی، آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کرلیں، قائداعظم نے کہا کہ میرا تو خیال ہے کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے، اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو یورپ کی سیاست ہے، اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفہ اسلام قائد حرب بھی تھا اور نماز کا بھی امام تھا، جب تک مسلمان اچھے رہے یہی صورت رہی، جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا تنزل شروع ہوگیا۔ اس کا قائداعظم پر یہ اثر ہوا کہ اگلے دن کھلے اجلاس میں فرمایا کہ اسلام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے،

قرآن کریم نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے، اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہئے۔

اجلاس کا نماز کیلئے التوا

اسی ملاقات میں تھانہ بھون کے اس وفد نے مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ نماز پڑھا کریں، قائد اعظم نے اس جھگڑے کا حل چاہا امام دیوبندی ہو یا بریلوی ہو، مولانا نے فرمایا آپ یہ اعلان کردیں کہ ہم سب جماعت سے نماز پڑھا کریں گے، اس پر جس کے پیچھے آپ ہوں گے سب اسی کے پیچھے نماز پڑھیں گے، چنانچہ اجلاس مسلم لیگ ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی کردیا گیا کہ سب صاحب نماز پڑھیں گے، قاضی شہر امام بنے، قائد اعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ان کی اقتدا میں نماز ادا کی۔

آرمی بل

حکومت ہند نے ایک بل آرمی بل کے نام سے پاس کیا تھا، کانگریس نے بظاہر اس کی مخالفت کی تھی لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھی، اس کی تحقیق کیلئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو وفد قائد اعظم کے پاس بھیجا تھا مولانا ظفر احمد صاحب بھی اس میں شریک تھے۔

جھانسی کا الیکشن

مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدہ ہوکر پہلا الیکشن جھانسی کے علاقہ میں لڑا تھا، جھانسی کے مسلمانوں نے حضرت تھانوی سے دریافت کیا تھا کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سے کس کو ووٹ دیا جائے، حضرت تھانوی کے مشورہ طلب فرمانے پر مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ آپ یہ لکھ دیں کہ کانگریس کو ووٹ نہ دیا جائے، چنانچہ اسی مضمون کا تار جھانسی کے مسلمانوں کو دے دیا گیا، مسلم لیگ اس الیکشن میں کامیاب ہوگئی، اس کی خوشخبری سنانے کیلئے مولانا شوکت علی وغیرہ تھانہ بھون آئے اور تھانہ بھون میں جلسہ بھی کیا، اس جلسہ میں مولانا ظفر احمد صاحب نے ہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی طرف سے تقریر کی تھی اور فرمایا تھا کہ مسلم لیگ تجربہ کے بعد کانگریس سے علیحدہ ہوگئی ہے، اب ہم اس کے ساتھ ہیں، مگر جب تک لیگ کے عہدہ داران دین اور مذہب کے پورے پابند نہ ہوجائیں ان پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے لیگ کے ارکان کو لازم ہے کہ وہ دیندار بنیں اور نماز کی پابندی کریں، مولانا کی یہ چند وہ سیاسی خدمات ہیں جن کو جمعیت علماء اسلام کے قیام سے بھی پہلے غیر منقسم ہندوستان میں ارکان مسلم لیگ کی اصلاح کیلئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں آپ نے انجام دیا تھا۔

جمعیت علماء اسلام کا قیام

آل انڈیا جمعیت علماء اسلام کانفرنس کا پہلا اجلاس محمد علی پارک کلکتہ میں مولانا ظفر احمد صاحب کی صدارت میں ہی منعقد ہوا تھا۔حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی جو جماعت مسلم لیگ کی حمایت کر رہی تھی اس نے یہ تجویز کیا کہ مطالبۂ پاکستان کیلئے علماء کا اپنا ایک مستقل مرکز قائم ہونا چاہئے ، کیونکہ جمعیت علماء ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی ،چنانچہ ۱۹۴۵ء میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ کی اس کانفرنس میں رکھی گئی ، چار روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے،۵۰۰ سے زیادہ علماء اور مشائخ نے اس میں شرکت کی ۔اسی اجلاس میں مولانا ظفر احمد صاحب کی تحریک پر ہی حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا تھا اور مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کو نائب صدر مقرر کیا گیا۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب کو صدارت کیلئے تیار کرنا

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کی صدارت کی اس قرارداد کو لے کر جب مولانا ظفر احمد صاحب دیوبند پہنچے ہیں تو علامہ عثمانی صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ بھائی میں تو سولہ مہینے سے صاحب فراش ہوں ، مجھ میں سفر کی ہمت کہاں ؟ اور اس کیلئے صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریر کرنا ہوگی ، اس پر مولانا نے کہا کہ آپ صدارت قبول فرمالیں کام کی ذمہ داری میں اپنے سر لیتا ہوں ،مولانا عثمانی نے اس پر خوش ہوکر صدارت قبول فرمالی ۔

لیاقت کاظمی الیکشن

۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستانی مسلمانوں کیلئے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے ، ضلع مظفر نگر اور ضلع سہارنپور سے ضمنی انتخاب کیلئے کانگریس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی صاحب کو منتخب کیا،مسلم لیگ نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو ٹکٹ دیا ، اتفاق کی بات ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب اور مولانا محمد احمد صاحب کاظمی آپس میں قریبی رشتہ دار تھے،مگر مولانا نے دین کے معاملہ کو قرابت داری سے بلند رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا اور ان کے مقابلہ میں لیاقت علی خان کی کامیابی کیلئے دورہ کیا ، اس دورہ نے نہایت دوررس نتائج پیدا کئے اور دورہ کامیاب رہا۔

لیاقت علی خان کا مبارکباد دینا

لیاقت علی خان مرحوم نے مولانا ظفر احمد صاحب کو تار کے ذریعہ مبارکباد دی کہ انہوں نے تین ہزار ووٹوں سے کاظمی صاب کو شکست دی ہے۔

مولانا کا طوفانی دورہ

اب مولانا نے پاکستان الیکشن کے سلسلہ میں طوفانی دورہ شروع کردیا جس میں تقریباً چار مہینے تک پورے ہندوستان کا مسلسل سفر کیا، ایک قدم یوپی میں تھا تو دوسرا بہار میں، کبھی بنگال میں تو کبھی پنجاب وسرحد میں، کبھی سندھ میں تو کبھی بمبئی میں، ہر روز جلسہ ہوتا تھا، صبح کو کسی جگہ، شام کو کسی جگہ، عشا کے بعد کسی اور جگہ۔

علامہ شبیر احمد صاحب کا اظہار خوشی

مولانا کے اس دورہ کی خبریں خطوط اور اخبارات سے مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ کو ملتی رہتی تھیں، اس زمانہ میں جب ایک بار مولانا کا دیوبند جانا ہوا تو مولانا شبیر احمد صاحب نے خوش ہوکر فرمایا ہمیں یہ امید نہ تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام کریں گے، واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے حوصلے پست کردیے۔

لیاقت علی مرحوم کا خط

یہ دورہ کیسا کامیاب رہا اس کیلئے نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم کے خط کا ایک حصہ نقل کردینا کافی ہے جو موصوف نے ۱۷ستمبر ۱۹۴۵ء کو دفتر مرکزی مسلم لیگ سے مولانا کے نام ڈھاکہ بھیجا تھا۔

نمبر ۵۰۵۰ محترم المقام زاداللہ مکارمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا، مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی، آپ حضرات کا اس موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں اس سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بے حد مؤثر ہوا، اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں سے ہماری ملی جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کردیے ہیں۔ ۱۷ستمبر ۱۹۴۵ء دہلی

عظیم الشان جلسہ

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فیصد کامیابی ہوئی تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے، کلکتہ میں بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع تھا، مولانا اس وقت ڈھاکہ میں تھے وہاں سے تشریف لاکر جلسے سے خطاب فرمایا۔

مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ

۸ مارچ ۱۹۴۶ء کو ڈھاکہ کے ایک شخص محی الدین کے استفسار پر مولانا نے (بعض دوسرے حضرات کے ساتھ مل کر جن میں علامہ سید سلیمان صاحب بھی تھے) لکھا کہ اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔

ہندوستان کی پیچیدہ صورت حال کا حل

پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا شریعت کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی قومی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے تا کہ اپنے قومی نصب العین پاکستان کے حاصل کرنے میں آسانی ہو، ہندوستان کی پیچیدہ حالت کا حل صرف پاکستان ہے۔

حصول پاکستان کیلئے خون کی پیشکش

ایک بیان میں مولانا نے فرمایا کہ حصول پاکستان کیلئے اگر میرے جسم کے آخری قطرۂ خون کی ضرورت ہوگی تو میں اسے دوں گا، مسلم لیگ بحیثیت ایک جماعت کے اگر پیچھے بھی رہ جائے تو اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں، پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آ جائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے۔

کابینہ مشن کے نام تار

برطانوی حکومت نے سیاسی پیچیدگیوں کے حل کرنے کیلئے مزید کوشش کے طور پر کابینہ مشن کے قیام کا اعلان کیا لیکن اس کے ساتھ ہی بعض برطانوی لیڈروں کے بیانات سے یہ تأثر ہو رہا تھا کہ برطانوی گورنمنٹ اب مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کی جرأت اور ارادہ رکھتی ہے، جس سے قدرتی طور پر مسلمانوں اور مسلم لیگ میں ایک اضطراب پیدا ہوا، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے ۸ اپریل ۱۹۴۶ء کو ایک تار برطانوی کابینہ وفد کے نام دہلی روانہ کیا کہ مسلم لیگ مسلم ہند کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے، کل ہند جمعیت علماء اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی پشت پر ہے، پاکستان مسلمانوں کا قومی ملی مطالبہ ہے، اس مطالبہ کے انکار کا تصور کسی صورت بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، مسلمان اس سوال پر کمی بیشی کر کے کوئی مصالحت کرنے کیلئے تیار نہیں، مسلمان اس مطالبہ ملی کے حصول کیلئے ہر قربانی کیلئے تیار ہیں۔

سلہٹ کا ریفرنڈم

۹ جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا، اس جلسہ میں حضرت علامہ

شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مولانا موصوف بھی قائداعظم سے ملاقات کرنے کیلئے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے، دوران گفتگو میں قائداعظم نے کہا کہ مجھے سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے، سلہٹ اور سرحد کے بارہ میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی علیحدہ رائے معلوم کی جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں، جمعیت علماء اسلام کے ان دونوں عظیم رہنماؤں نے ریفرنڈم کیلئے کام کی ذمہ داری قبول کی۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے سلہٹ کی ذمہ داری سنبھالی، پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے کہ آپ سلہٹ پہنچے اور اس کے مضافات کا دورہ کیا اور پولنگ کے دن تک سلہٹ میں مقیم رہے، پولنگ کے دن شام کو پولنگ سٹیشن سے اطلاع ملی کہ مسلم لیگ ۵۰ ہزار ووٹ سے جیت گئی ہے اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہوگیا ہے۔ مولانا نے شکرانہ کے نفل پڑھے اور ڈھاکہ روانہ ہوگئے، اس کامیابی پر مولانا نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارکباد دی، انہوں نے جواب دیا کہ اس مبارکباد کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔

پرچم کشائی

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا، ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کیلئے خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم نے مولانا ظفر احمد صاحب کی سابقہ خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو دعوت دی، مولانا نے سورہ انّا فتحنا لک کی آیات تلاوت کیں، تمام وزراء اور عمائد مسلم لیگ خاموش باادب سنتے رہے، پھر بسم اللہ کر کے مولانا نے پاکستان کا پرچم لہرایا، یہ جمعہ کا دن تھا، لال باغ جامع مسجد میں جمعہ سے پہلے تقریر میں ارباب حکومت کو آئین اسلامی نافذ کرنے کی اور عوام نیز فوج و پولیس کو نماز، روزہ سے شعائر اسلام کی پابندی کرنے کی تلقین کی۔

مولانا ظفر احمد عثمانی اور آئین اسلامی

ابھی ملک کی تقسیم ہی نہیں ہوئی تھی کہ مولانا پاکستان کیلئے اسلامی آئین بنانے کیلئے قائدین مسلم لیگ کو آمادہ کرتے رہے ہیں اور مسلم لیگ کے عمائد سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے ان سے پاکستان میں آئین اسلامی جاری کرنے کا وعدہ کراتے رہے ہیں اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ خود بھی اس کا اعلان کرتے رہے ہیں، چنانچہ تقسیم سے پہلے ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو مولانا کی قائداعظم سے جو ملاقات ہوئی تھی اس میں مولانا نے بھی قائداعظم سے فرمایا تھا کہ آپ اس کا اعلان کردیں کہ پاکستان کا آئین اسلام ہوگا ہم ان شاء اللہ صوبہ سرحد اور سلہٹ دونوں کا دورہ کریں گے اور مسلم لیگ

ہی کامیاب ہوگی ان شاء اللہ، قائد اعظم نے کہا جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، مولانا نے فرمایا کہ ترکی میں بھی تو مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر مصطفےٰ کمال پاشا نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا، بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے، سرحد کا علاقہ بہت سخت ہے، وہاں کے علماء وعوام اس وقت تک مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں گے جب تک نظام اسلام جاری کرنے کا وعدہ نہ کیا جائے، انہوں نے فرمایا آپ اپنی تقریروں میں میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔

۱۹۵۶ء کے آئین میں اگرچہ قرارداد مقاصد کے مطابق آئینی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ پاکستان کا کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور مروجہ قوانین میں جو قرآن وسنت کے خلاف ہوگا اس کو قرآن وسنت کے موافق بنا دیا جائے گا۔۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب گورنر جنرل جب ڈھاکہ تشریف لائے تو مولانا نے علماء کے ایک وفد کے ساتھ گورنر جنرل سے ملاقات کی اور دستور اسلامی کے جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا، انہوں نے وعدہ کیا کہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔۱۹۵۳ء میں بعض ترمیموں کے ساتھ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم الدین صاحب نے پیش کی، اس پر غور کرنے کیلئے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے ہر مکتب خیال کے علماء کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا، اس میں بھی مولانا شریک تھے۔لیکن اس کے باوجود اس آئین میں بھی کئی دفعات خلاف اسلام پائی جاتی ہیں، علمائے کرام نے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی بھی شامل تھے اس آئین پر غور وخوض کیا اور اس کی اس مذکورہ بنیادی دفعہ کو کہ ''کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا'' کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن وسنت کے موافق شرعی ترمیمات پیش کیں، ان ترمیمات کے ساتھ وہ آئین اسلامی بن جاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ۱۹۵۶ء کے آئین کو اس شرعی ترمیم کے ساتھ بحال کیا جائے، امید کہ تمام مسلمان علماء کے ہمنوا بن کر اسلامی آئین کی کوشش فرمائیں گے اور جب تک یہ مکمل قانون نافذ ہو ترمیمات کے ساتھ ۱۹۵۶ء کا قانون گوارا کریں، کہ بہ نسبت اور قانون کے یہ قانون اسلام سے زیادہ دور نہیں ہے، چند ترمیمات سے ہی صحیح قانون اور اسلامی قانون بن سکتا ہے۔

(بشکریہ ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور ۱۷؍جولائی ۱۹۷۰)

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

قوانین حدود وقصاص

چند ضروری گذارشات بابت ایجنڈا ورکنگ گروپ برائے جائزہ قوانین حدود وقصاص

ایجنڈا برائے اجلاس ورکنگ گروپ برائے قصاص ودیت اجلاس کی تاریخ سے صرف دو روز پہلے موصول ہوا تھا، اس پر غور نہیں ہوسکا تھا، اب اس کے بارہ میں چند ضروری گذارشات کرنی ضروری سمجھیں وہ پیش خدمت ہیں۔

(۱) ایک روزہ پہلے اجلاس کا یہ ایجنڈا تفصیلی اس حیثیت سے مفید ہوا کہ اجمالی طور پر قابل غور امور کا علم اراکینِ اسلامی نظریاتی کونسل کو ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اس پر تفصیلی غور کیلئے کافی وقت درکار ہوگا اور حسب موقع اس پر غور ہوتا رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) اسلامی نظریاتی کونسل کسی مسئلہ میں غور کرنے میں اس کی پابند ہے کہ زیر غور مسئلہ کی یہ شق قرآن وسنت کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر کسی شق کا قرآن وسنت کے موافق ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوجائے تو اسلامی نظریاتی کونسل اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتی ہے، اس کا فرض صرف اتنا ہی ہے کہ وہ مجوزہ شق کے قرآن وسنت کے موافق ہونے یا نہ ہونے کو ثابت کردے۔

(۳) اگر اس شق پر کوئی اعتراض واقع ہوتا ہو، اگر وہ قرآن وسنت کی روشنی میں واقع ہوتا ہو تو اس کا رفع کرنا اسلامی نظریاتی کونسل کے فرائض میں شامل ہے، ورنہ ایسا اعتراض قابل التفات نہ ہونا چاہئے اور نہ اس کا رفع کرنا کونسل کی ذمہ داری ہے، یہ اس کے فرائض منصبی میں داخل نہیں ہے، البتہ اگر مزید اطمینان کی خاطر اس کو رفع کردینا کونسل مناسب سمجھے تو اس کا تبرع ہے، اس کے مطالبہ کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔

(۴) اگر کسی مسئلہ میں قرآن وسنت کا حکم واضح نہ ہو، اس میں ابہام ہو تو فقہاء متقدمین کے اقوال میں سے راجح اور قوی قول کو اختیار کرنا مناسب ہوگا الا بضرورة شديدة، ضرورت شدیدہ کے وقت مرجوح قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، بلکہ دوسرے مذہب کی اس کی شرائط کے ساتھ کسی شق کو اختیار کرنے کا بھی فقہاء متقدمین نے اختیار دیا ہے جیسا کہ زوجہ مفقود الخبر کے بارہ میں عمل کیا گیا ہے، اس کی تفصیل ''الحیلۃ الناجزہ'' میں ملے گی اور اس کی تفصیل بھی کہ ضرورت شدیدہ کی کیا تعریف ہے، یہ کتاب تقریباً ہر دارالافتاء میں ہوتی ہے، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے مفتی

محمد شفیع کی مشارکت اور میرے والد ماجد مولانا سید عبدالکریم گمتھلوی مرحوم کی مشارکت سے مرتب کی تھی، دونوں کے نام بھی آخر کتاب میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے دست مبارک سے لکھے ہیں۔

(۵) قرآن وسنت کے ایسے معنی جو مقبول فقہاء متقدمین میں سے کسی نے نہ قبول کئے ہوں ان کو رد کر دیا جائے گا۔

مکتوب گرامی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں جس کو ابو داؤد شریف میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے اس مسلک کی واضح ترجمانی فرمائی ہے، فرماتے ہیں ولئن قلتم لم انزل اللّٰہ آیۃ ولم قال کذا؟ لقد قرأوا منہ ما قرأتم وعلموا من تاویلہ ما جھلتم وقالوا بعد ذلک کلّہ بکتاب وقدر (ابوداؤد کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ)

مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید کی بعض آیات کو اس کے خلاف پا رہے ہو اور اپنی دانست میں تم ان آیتوں کو مسئلۂ تقدیر کے خلاف سمجھتے ہو تو یہ تو سوچو کہ یہ سب آیتیں قرآن مجید میں صحابہ کرام نے بھی پڑھی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور آپ کے فیض صحبت سے وہ مقصد قرآن کو تم سے بہتر سمجھنے والے تھے، اس کے باوجود وہ اس مسئلۂ تقدیر کے قائل تھے، اس سے تمہیں خود ہی سمجھ لینا چاہئے کہ تم ان آیتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کھا رہے ہو، اس مسلک کو حدیث شریف ما انا علیہ واصحابی جس پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں، میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے مطالبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ خوارج کے مجمع کو سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے، خوارج نے قرآن کریم کا نعرہ لگایا کہ ہم بس کتاب اللہ کو مانیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تدبیر سے انہیں بتلایا قرآن کی پیروی کی صورت یہی ہے کہ جو قرآن کو سمجھنے والے ہیں وہ جو کچھ قرآن سے سمجھ کر بتلائیں اس کی پیروی کی جائے، کتاب وسنت بولتے ہوئے انسان نہیں ہیں کہ ہم ان سے کوئی سوال کریں اور وہ ہم کو ہماری زبان میں جواب دے دیں۔ پھر حضرت علی نے فرمایا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن مجید کو اور دین کو حاصل کیا کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن کو اور دین کو جاننے والے ہو؟

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''سعادت آثار آنچہ بر ماوشما

لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب وسنت بر نہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب وسنت آں عقائد را فہمیدہ اند واز آں جا اخذ کردہ، چہ فہمیدن ماوشما از حیز اعتبار ساقط است، اگر موافق افہام ایں بزرگواراں نباشد زیرا کہ ہر مبتدع وضال احکام باطلہ خودرا از کتاب وسنت فہمید واز آں جا اخذ می نماید والحال انه لایغني من الحق شیئا (مکتوبات دفتر اول حصہ سوم ص ۳۴ مکتوب ۵۷ طبع امرتسر) اے نیک بخت! جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے، مگر اسی طریقہ پر کہ علمائے اہل حق نے کتاب وسنت سے اس کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہو اعتبار کے مقام سے ساقط ہے' الخ۔

علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید حضرت علامہ ابن عبدالہادی ایک مقام پر لکھتے ہیں لا یجوز احداث تاویل في آیة وسنّة لم یکن علی عهد السّلف ولا عرفوه ولا بیّنوه للامّة فان هذا یتضمّن انّهم جهلوا الحقّ في هذا وضلّوا عنه واهتدی الیه هذا المعترض المتأخر فکیف اذا کان تاویل یخالف تاویلهم ویناقضه وبطلان هذا التّاویل اظهر من ان یطنب في ردّه الخ (الصارم المنکی ص ۲۷ طبع مصر) جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کے ایسے معنی اور تاویل کی جائے جو حضرات سلف کے زمانہ میں نہ کی گئی ہو، کیونکہ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ سلف اس میں حق سے جاہل رہے اور اس سے بھٹک گئے اور یہ پیچھے آنے والا معترض اس کی تہ کو پہنچ گیا خصوصاً جبکہ متاخر کی تاویل سلف کی تاویل کے خلاف اور اس کے برعکس ہو پھر کیونکر وہ قبول کی جاسکتی ہے، اور اس تاویل کا بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کیلئے کسی بسط کی ضرورت نہیں ہے۔

مختصر طریقہ پر ان عبارات محولہ بالا سے واضح ہوگیا کہ جس آیت یا حدیث کا جو مطلب اور معنی حضرات سلف، صحابہ کرام اور ائمہ عظام نے نہ سمجھے ہوں اور متاخرین میں سے کسی نے اس کو سمجھا ہو تو اس کی یہ سمجھ اعتبار وقبول کے لائق نہیں، کیونکہ اس سے امت کی تضلیل اور اس کا گمراہی پر ہونا لازم آتا ہے اور حدیث میں ہے لاتجتمع امّتي علی الضّلالة میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، جب ایک معنی پر امت کے اسلاف نے اتفاق کرلیا اس کے خلاف دوسرے معنی کرنا ناقابل قبول اور مردود ہیں اور اجماع کے خلاف ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سلف صالحین میں ہی کئی معنی مقبول ہوں تو اس صورت میں جو معنی اصول کی رو سے قرآن وسنت کی دوسری تصریحات یا اشارات سے راجح ہوں ان کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا لازم ہے، ہر شخص کے ایسے ہی گرے پڑے کسی قول کو قبول کرلینا جائز نہیں۔ اکابر علماء محدثین

اور فقہائے عظام امام غزالی، امام رازی، ترمذی، طحاوی، ابن ہمام، ابن قدامہ رحمہم اللہ اور اسی معیار کے ہزاروں علماء سلف وخلف باوجود علوم عربیت وعلوم شریعت میں اعلیٰ مہارت کے ایسے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تحقیق کے ہی پابند رہے ہیں، سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا۔ البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے اور پرکھتے تھے، پھر ائمہ مجتہدین میں جس امام کے قول کو وہ کتاب وسنت کے ساتھ اقرب پاتے اس کو اختیار کرتے تھے، مگر تمام ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا جائز نہ جانتے تھے (از معارف القرآن مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ص ۳۳۴)

خلاصہ یہ ہے کہ جن جن معنی پر ائمہ سلف میں اتفاق ہو چکا ہے ان میں سے جو قول قرآن وسنت کے زیادہ موافق ہو اس کو قبول کرنا لازم ہے اور ان اقوال کے خلاف کوئی نیا قول نکالنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہوگا، یہ اجماع مرکب کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ کسی آیت وحدیث کے ایک معنی پر اجماع واتفاق نہیں ہوا مگر سلف صالحین میں اس پر اتفاق واجماع ہو چکا ہے کہ اس آیت وحدیث کے معنی ان میں ہی منحصر ہیں جن کو سلف نے سمجھا ہے، جیسا کہ علامہ ابن عبدالہادی علامہ ابن تیمیہ کے خاص شاگرد کی عبارت مذکورہ ''الصارم'' سے واضح ہو رہا ہے۔ اسی واسطے اگر کسی بڑے عالم نے بھی کوئی ایسے معنی بیان کئے جن کی پشت پر سلف کی تائید نہ ہو اس کو رد کر دیا گیا اور اس پر عمل نہیں کیا گیا جیسا کہ شیخ ابن ہمام وغیرہ کے بعض تفردات کو قبول نہیں کیا ہے۔

ایک اصول

عام طور پر آیات قرآنیہ کا نزول اور احادیث نبویہ کا ورود کسی خاص واقعہ پر ہوا ہے مگر عام اصول یہی ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے اور اس جیسے تمام واقعات کو شامل ہوتا ہے، اسی واقعہ کے ساتھ خاص نہیں ہوتا، اس اصول کو عام تفسیری اصول کے طور پر اتقان وغیرہ میں بھی علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے بحر محیط کے حوالہ سے الفاظ ذیل سے نقل کیا ہے:

ابوحیان صاحب تفسیر بحر محیط لکھتے ہیں والذین ھاجروا عام فی المھاجرین کائنا ما کانوا فیشمل اوّلھم واٰخرھم (ص ۴۹۲ ج ۵) الّذین ھاجروا کا لفظ تمام مہاجرین عالم کیلئے عام اور شامل ہے، کسی بھی خطے اور زمانہ کے مہاجر ہوں، اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت تک اللہ کیلئے ہر ہجرت کرنے والا اس میں داخل ہے (معارف القرآن ص ۳۴۸ ج ۵) (جاری ہے)

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

الانسداد لفتنة الارتداد

گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا (آخری قسط)

کیا تبدیل دین کے بعد مرتد کا قتل فوری طور پر واجب ہے؟

فاقتلوہ میں فا کا تقاضا تو یہی تھا کہ تبدیلی دین کے بعد بغیر مہلت کے فوراً سزائے قتل جاری کرنا واجب ہوتا کیونکہ فا تعقیب، بلا مہلت کیلئے آتی اور جزاء کا شرط کے ساتھ اتصال ثابت کرتی ہے، اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوتے کہ جو شخص دین اسلام کو تبدیل کرے اس کو فوراً قتل کردو، قتل کا وجوب بوجہ امر کے ہے کہ امر وجوب کیلئے ہوتا ہے اور امر اگرچہ حنفیہ کے نزدیک فور کیلئے نہیں آتا مگر اس جگہ فوراً تعقیب کا مفاد ہے جو اتصال جزاء بالشرط کو مفید ہے لیکن صحابہ کرامؓ کے اقوال اور ان کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دینے کی بھی گنجائش ہے، مگر یہ مہلت دینا واجب نہیں ہے بلکہ صرف مستحب ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے وعن ابی حنيفة وابی يوسف انه يستحب ان يؤجله ثلثة ايام طلب ذلك اولم يطلب (ص۶۰۰ ج ۲) امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے وہ طلب کرے یا نہ کرے۔

وقال محمد في المؤطا ان شاء الامام اخر المرتد ثلاثا ان طمع في توبته اوسأله عن ذلك المرتد وان لم يطمع في ذلك ولم يسأله المرتد فقتله فلابأس بذلك (ص۳۶۹) امام محمدؒ نے مؤطا میں کہا ہے کہ اگر امام چاہے تو مرتد کو تین دن کی مہلت دیدے اگر اس کو اس کے توبہ کی امید ہو یا مرتد مہلت کا طالب ہو، اور اگر نہ تو توبہ کی امید ہو اور نہ ہی وہ مہلت طلب کرے اور فوراً قتل کر دیا جائے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

یہ عبارتیں اس بارہ میں نص صریح ہیں کہ مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں ہے اور یہی بات مذہب کی ظاہر الروایۃ کے موافق ہے (اعلاء السنن ص۵۲۶ ج ۱۷)

مرتد کو بغیر مہلت کے قتل کر دینے کا حکم

اس لئے اگر عرض اسلام کے بغیر مرتد کو قتل کر دیا گیا تو قاتل پر کوئی گناہ نہیں ہے صرف مکروہ

تنزیہی اور خلاف مستحب ہے، مؤ طا امام محمد کی مذکورہ عبارت بھی اس پر صاف دلالت کر رہی ہے، اگر کسی شخص نے اس کو حکم حاکم اور مہلت کے بغیر قتل کر دیا تو بھی قاتل پر کچھ تاوان نہیں، ہدایہ میں ہے کہ فان قتلہ قاتل قبل عرض الاسلام علیہ کرہ ولا شیء علی القاتل ومعنی الکراھیۃ ھھنا ترک المستحبّ وانتفاء الضّمان لانّ الکفر مبیح للقتل والعرض بعد بلوغ الدّعوۃ غیر واجب (ص۶۰۰ ج۲) اگر اس کو کسی قاتل نے عرض اسلام سے پہلے قتل کر دیا تو صرف مکروہ ہوا قاتل پر ضمان نہیں، اور مکروہ ہونے کے معنی اس جگہ ترک مستحب کے ہیں اور ضمان کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ کفر قتل کا مبیح ہے اور دعوت اسلام اس کو پہلے پہنچی ہوئی ہے اس کے بعد اس پر عرض اسلام واجب نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور فیصلوں سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے کہ شاتم رسول کو بغیر حکم حاکم کے بھی اگر قتل کر دیا جائے تو اس پر کسی قسم کا تاوان لازم نہیں۔

(۱) ابوداؤد شریف میں ہے:

نا ابن عبّاس ان اعمٰی کانت لہ امّ ولد تشتم النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وتقع فیہ فینھاھا فلا تنتھی ویزجرھا فلا تنزجر قال فلمّا کانت ذات لیلۃ جعلت تقع فی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وتشتمہ فاخذ المغول فوضعہ فی بطنھا واتکأ علیھا فقتلھا فوقع بین رجلیھا طفل فلطخت ما ھناک بالدّم فلمّا اصبح ذکر ذٰلک للنّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فجمع النّاس...... فقال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الا اشھدوا انّ دمھا ھدر (ص۲۴۲ ج۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا کی ام ولد باندی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی تھی اور آپ کی شان میں گستاخی کرتی تھی، یہ اس کو روکتا تھا مگر وہ رکتی نہ تھی، یہ اسے ڈانٹتا تھا مگر وہ مانتی نہ تھی، جب ایک رات پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنی اور گالیاں دینی شروع کیں تو اس نابینا نے ہتھیار (خنجر) لیا اور اس کے پیٹ میں رکھ دیا اور وزن ڈال کر دبا دیا اور مار ڈالا، عورت کی ٹانگوں کے درمیان بچہ نکل پڑا، جو کچھ وہاں تھا خون آلودہ ہو گیا، جب صبح ہوئی تو یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ذکر کیا گیا، آپ نے لوگوں کو جمع کیا (پھر اس نابینا نے کھڑے ہو کر سارا واقعہ سنایا) اور فرمایا لوگو! گواہ رہو اس کا خون بے بدلہ (بے سزا) ہے۔

(۲) اس باندی کے واقعہ کے علاوہ ایک یہودیہ شاتمۂ رسول کا گلا گھونٹ کر مارنے والے کا خون آپ نے معاف فرمادیا (ابوداؤد ص۲۴۲)

(۳) کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا تفصیلی واقعہ بخاری شریف (ص ۵۷۶ ج ۲) میں ہے۔

(۴) اور ابورافع یہودی کے قتل کا واقعہ بخاری شریف (ص ۵۷۷ ج ۲) میں ہے۔

(۵) ابن خطل کے قتل کا واقعہ بخاری شریف (ص ۶۱۴) میں موجود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد

(۶) ابوداؤد شریف ص ۲۲۳ ج ۲ میں ہے کہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس تھا وہ کسی شخص پر ناراض ہوئے اس نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو سخت بات کہی میں نے اس کے قتل کی اجازت مانگی حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا لاواللّٰہ ما کانت لبشر بعد محمّد علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی دوسرے کیلئے نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

(۷) حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے پر کوڑے مارنے کی سزا کا ذکر آیا ہے قتل کی سزا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا یا گالی پر ہے، چنانچہ الصارم المسلول میں ہے کہ عن مجاھد قال اتی عمر برجل یسبّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقتلہ ثمّ قال عمر من سبّ اللّٰہ او سبّ احدا مّن الانبیاء فاقتلوہ (ص ۴۱۹) حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو یا انبیاء میں سے کسی کو برا کہے اسے قتل کردو۔

ایسے تمام واقعات اور فیصلوں سے ثابت ہورہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی اور سب وشتم کرنے کی سزا قتل ہے اور یہ سزا بغیر مقدمہ چلائے بھی جاری کی جاسکتی ہے اور حکم حاکم کے بغیر بھی اگر کوئی شخص شاتم رسول کو قتل کردے تو قاتل پر کچھ سزا نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ مسلمان حاکم وقت کی عدالت میں باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے اور اس کو توبہ کی مہلت دے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کردے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کے بارہ میں گذشتہ عبارات کے علاوہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کا فیصلہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

(۱)ایما رجل مسلم سبّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللّٰہ تعالٰی وبانت منہ امرأتہ فان تاب والاّ قتل (کتاب الخراج بحوالہ شامی ص۴۰۳ج ۳)جس مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی یا آپ کو جھٹلایا یا آپ پر کوئی عیب لگایا یا آپ کی تنقیص کی تو اس نے بلاشبہ اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اس کی عورت اس سے جدا ہوگئی۔

(۲) خلیفہ ہارون رشید نے امام مالکؒ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا اور یہ بھی کہا کہ بعض علماء عراق نے کوڑے مارنے کا فتویٰ دیا ہے جو شریعت میں قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا ہے، امام مالکؒ اس سزا کو سنتے ہی برہم ہوگئے اور نہایت غصہ کے لہجہ میں یہ فرمایا ما بقاء ھذہ الامّۃ بعد شتم نبیّھا،من شتم الانبیاء قتل و من شتم اصحاب النبیّ جلد اس امت کی کیا زندگی ہے جس کے نبی پر گالیاں دی جارہی ہوں، جو شخص انبیائے کرام کو گالیاں دے اس کو قتل کیا جائے اور جو شخص صحابہ کو گالیاں دے اس کو تعزیری کوڑے لگائے جائیں۔

علامہ خفاجیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں فلا یحلّ لاحد سمعہ الاّ قتل قائلہ اوبذل روحہ فی جہادہ (نسیم الریاض ص۳۹۹) کسی کیلئے روا نہیں کہ نبی کی شان میں گستاخی سنے، بجز اس کے کہ یا تو اس گستاخ کی جان لے لے یا اپنی جان خدا کی راہ میں دے دے۔

اورعلامہ شامیؒ شاتم رسول کے کفر اور مباح الدم ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کرنے میں فرماتے ہیں لاشکّ ولا شبھۃ فی کفر شاتم النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وفی استباحۃ قتلہ وھوالمنقول عن الائمّۃ الاربعۃ وانّما الخلاف فی قبول توبتہ اذا اسلم فعندنا وھو المشھور عند الشافعیّۃ القبول وعند المالکیّۃ والحنابلۃ عدمہ بناء علٰی ان قتلہ حدّ اولا (شامی ص۴۰۶ج ۳) شاتم رسول کے کفر اور قتل کے جائز ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، چاروں اماموں سے یہی منقول ہے، خلاف صرف اسلام کے بعد اس کی توبہ قبول ہونے میں ہے، ہمارے نزدیک قبول ہے اور یہی شافعیہ کے نزدیک مشہور ہے، اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبول نہیں، اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ شاتم رسول کا قتل حد ہے یا نہیں۔

غرضیکہ تمام علماء کرام اور فقہائے اسلام کا شاتم رسول کے قتل پر اتفاق اور اجماع ہے، قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

استفتاء کے نمبر وار جوابات

گذشتہ تفصیلات سے استفتاء کے جوابات بھی حاصل ہو جاتے ہیں مگر وضاحت کیلئے تصریح کے ساتھ بھی نمبر وار جوابات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شاتم رسول رشدی کے جرم کی اسلامی فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں کیا تعریف ہے؟ یعنی رشدی مرتد ہے زندیق یا دونوں کا اس پہ اطلاق ہوتا ہے؟

جواب: یہ شخص اپنے ان گستاخانہ اور سب وشتم پر مشتمل اقوال کی بنا پر جو استفتاء میں درج ہیں مرتد ہے مگر چونکہ دعویٰ اسلام کا بھی کرتا ہے اس لئے زندیق بھی ہے۔

اقوال مندرجہ استفتاء (۱) صریح طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "حرامی" کہہ کر ایک نبی کی شان میں گالی دی گئی اور گستاخی کی گئی ہے (۹۵)(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہتک آمیز نام "مہونڈ" کہہ کر گستاخی کے ساتھ پکارا گیا ہے (۳) "بیوی کی وفات کے بعد مہونڈ کوئی فرشتہ نہیں رہا آپ میرا مطلب خود ہی سمجھ لیجئے" کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت بھی لگا رہا ہے (۴) "پھر جو وحی آتی تھی" الخ کہہ کر وحی کو حکم الٰہی نہ سمجھا بلکہ اس کو آپ کی غرض کا تابع بنا دیا (۵) اور مسلمانوں کے خدا کو کاروباری تاجر کہنا خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا ہے (۶) اس طرح اسلامی شریعت کو ہر ذلیل سے ذلیل چیز میں گھسی ہوئی کہہ کر اسلامی شریعت اور وحی کی توہین کی گئی ہے (۷) "اغلام بازی اور مجامعت" الخ کہہ کر حضرت جبریل امین کی گستاخی اور توہین کے ساتھ (۸) گویا قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا انکار کیا گیا ہے۔

ان سب باتوں کے خلاف اسلام اور کفر ہونے میں کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی شک نہیں ہو سکتا، اور جو شخص پہلے مسلمان تھا وہ ان کفریہ اقوال کی وجہ سے یقیناً خارج از اسلام اور مرتد ہو جاتا ہے۔

(۲) رشدی کے جرم کی شریعت نے کیا سزا مقرر کی ہے؟

جواب: ہماری اس تحریر سے ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث، نیز صحابہ کرام کے طرز عمل اور ائمہ مجتہدین، فقہائے اسلام کے فیصلوں کی رو سے مرتد کی سزا شریعت میں قتل مقرر کی گئی ہے۔

(۳) شریعت کے مطابق جاری کردہ سزا کیسے نافذ کی جائے گی؟ کونسے ادارے یا افراد سزا کو نافذ کرنے کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے؟

جواب: یہ ہر مسلمہ حکومت کا فرض منصبی ہے کہ وہ اس شرعی سزا کو جاری اور نافذ کرے، لیکن اگر وہ نہ کرے تو پھر جس کو بھی یہ قدرت حاصل ہو وہ کر گذرے۔ حدیث شریف میں ہے من رَای منکم مُنکرا فلیغیرّہ بیدہ فان لّم یستطع فبلسانہ فان لّم یستطع فبقلبہ (**مسلم شریف** ص ۵۱ ج ۱) جو شخص کوئی برائی دیکھے وہ اس کو ہاتھ سے بدل دے، اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے ورنہ پھر دل سے برا سمجھے۔

(۴) کیا اسلامی شرعی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر اور صفائی کا موقع دیے بغیر رشدی جیسے کھلم کھلا اور خود اقراری شاتم رسول (جو کہ بار ہا ٹیلیویژن وغیرہ پر توہین آمیز کلمات دہراتے ہوئے یہاں تک کہہ چکا ہے کہ کاش میں نے اس سے بھی سخت تنقیدی کتاب لکھی ہوتی) کے خلاف اسلامی سزا نافذ کی جاسکتی ہے؟

جواب: جس کو قدرت ہو وہ فوراً سزا جاری کرے اور اگر قدرت نہ ہو تو قانونی چارہ جوئی کرنی اور اس کو سزا دلوانے کی پوری کوشش کرنی فرض ہے، بغیر مقدمہ چلائے بھی ایسے گستاخوں کو سزا دی گئی ہے، اوپر کی تحریر میں ایسے واقعات حدیث کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں ان کو ملاحظہ کیا جائے۔

(۵) رشدی کیلئے معافی اور تلافی کی کیا صورت ہے؟ کیا کسی طرح وہ دنیاوی سزا سے بچ سکتا ہے؟

جواب: اگر صحیح طریقہ پر سچی توبہ کرلے تو فقہائے اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کی وجہ سے دنیاوی سزا سے بچ سکتا ہے یا نہیں، بہت سے فقہائے اسلام نے اس کی توبہ کو سزا کے حق میں قبول نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۶) کیا پبلیشرز پنگوئین اور دیگر ملوث اداروں کے ساتھ مسلمانوں کو کسی قسم کا کاروبار جائز ہے؟

جواب: قرآن کریم میں حکم ہے وتعاونوا علی البرّ والتّقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (پ۶ ع ۵)

جب اس کتاب کے مندرجات خلاف اسلام اور موجب ارتداد ہیں تو پھر کسی کا ان اداروں کے ساتھ تعاون کیسے جائز ہوسکتا ہے جو ایسی ناجائز اور حرام مندرجات پر مشتمل کتاب کی اشاعت کر رہے ہوں یا اس میں کسی طرح کی اعانت کر رہے ہوں؟ کیونکہ اس طرح یہ بھی تعاون علی الاثم

والعدوان کے جرم میں شریک ہوکر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونگے۔

(۷) رشدی کی حمایت اور اس کی کتاب کو سراہنے والے مسلمانوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: ظاہر ہے کہ کفر کی حمایت واعانت کفر ہے اس لئے اپنی استطاعت کے مطابق اس کے خلاف جدوجہد اور سعی وکوشش کرنی ضروری ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث من رای منکم منکرا میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ:

جرم ارتداد کی شناعت وقباحت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اگر مرتد حرم مکہ میں بھی پناہ لے تو اس کو وہاں بھی پناہ نہیں دی جاتی بلکہ حرم میں ہی قتل کردیا جاتا ہے حالانکہ حرم مکہ جائے امن ہے مگر مرتد کا جرم اس درجہ قبیح اور شنیع ہے اس کو اس جائے امن میں بھی پناہ حاصل نہیں ہوسکتی۔

وامّا ما ذکره فی النتف من انه لوارتدّ ثمّ لجأ الی الحرم یعرض علیه الاسلام فان ابی قتل فهو مخالف بظاهره لاطلاق غیره انّه لایقتل فی الحرم عندنا الا انّ کلام غیره قابل للتّخصیص والتّقیید ولعلّه جعل اباء المرتدّ عن الاسلام جنایة فی الحرم وهو الظاهر واللّٰه اعلم (المسلك المتقسط لمولانا علی القاری رحمه اللّٰه ص۲۶۱)(شامی ص۳۵۱ ج۲)

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے فتنوں سے محفوظ رکھیں اور اپنے ایمانوں کی حفاظت کرنے کی توفیق بخشیں، آمین۔

فقط، واللّٰه اعلم بالصواب

والیه المرجع والمآب فی کل باب

کتبه الاحقر السیّد عبد الشّکور التّرمذی

المدرسة العربیة الحقانیة ساهیوال سرگودها

۲۳/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

سفر تھانہ بھون

نانوتہ سے روانہ ہوئے تو اگلی منزل تھانہ بھون تھی، وہ تھانہ بھون جس کے لذیذ و پرکیف تصور ہی سے جسم وجان میں عقیدت ومحبت کی پھواریں پھوٹتی معلوم ہوتی ہیں، وہ تھانہ بھون جس کے تذکروں کی فضا میں اس ناچیز نے آنکھ کھولی اور جس کا ذکر جمیل صبح وشام حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وردزباں پایا، وہ تھانہ بھون جس سے پھوٹنے والے انوار اب بھی زندگی کی پرپیچ راہوں میں مجھ جیسے نہ جانے کتنے بھٹکنے والوں کی رہبری کا واحد ذریعہ ہیں، آج میں عالم حقیقت میں اسی چشمۂ خیر اور اسی دکان معرفت کا رخ کررہا تھا اور قلب وروح کی کائنات اشتیاق ومسرت کے کچھ نرالے زمزموں سے لبریز تھی۔

اس سے پہلے تصور نے تھانہ بھون اور اس کی خانقاہ کے نہ جانے کتنے خاکے بنائے تھے، لیکن جب کچی گلیوں سے گذر کر ہمارا یہ مختصر سا قافلہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو خانقاہ ان تمام خاکوں سے زیادہ سادہ، مختصر اور دلکش تھی، اپنی یاد میں یہ خانقاہ اشرفیہ کی پہلی حاضری تھی، لیکن اس کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس سے سالہا سال کی واقفیت ہے اور اسے دیکھتے ہوئے زمانہ گذرا ہے۔

حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے پاکستان آجانے کے بعد حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس خانقاہ کا انتظام سنبھالا تھا اور انہوں نے اس کی ایک ایک چیز کو اسی انداز میں باقی رکھنے کی پوری کوشش فرمائی تھی جیسی وہ حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تھی، اب مولانا کے صاحبزادے مولانا نجم الحسن صاحب مہتمم خانقاہ ہیں، آپ کا اصلاحی تعلق مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہم العالی سے ہے اور نوعمری کے باوجود آپ نے یہاں کا نظم ونسق اسی طرح برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

خانقاہ میں داخل ہونے کے بعد اس کے ایک ایک گوشے سے یہ صدا آتی معلوم ہوتی ہے کہ

؎ میرے دلِ وارفتۂ حیرت کو ہے اب تک اس نازشِ صد ناز کی ایک ایک ادا یاد

یہ خانقاہ ابتداء شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہم کا مرکز فیض تھی، یہ تینوں بزرگ جو ''اقطاب ثلاثہ'' کہلاتے تھے مدتوں یہاں اصلاح وارشاد میں مشغول رہے اور انہی کی وجہ سے اسے

''دکان معرفت'' کہا جانے لگا، لیکن ۱۸۵۷ء کے جہاد میں جب حضرت حافظ صاحب شہید ہو گئے اور حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے تو خالی ہو گئی، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ یہ خانقاہ دوبارہ آباد ہو، چنانچہ جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تو آپ کی دوررس نگاہوں نے اس مرکز معرفت کو آباد کرنے کیلئے ان کا انتخاب فرمالیا اوران کو یہ تاکید کی کہ جب کبھی آپ کانپور سے تدریس کی خدمت ترک کریں تو کسی اور مدرسے میں جانے کے بجائے خانقاہ تھانہ بھون کو آباد فرمائیں، چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے کانپور سے ترک تعلق کے بعد اس خانقاہ کو ازسرنو آباد فرمایا اور پھر یہاں سے علم ومعرفت کی جو خوشبو پھوٹی اس نے ایک عالم کو مہکا دیا۔

مولانا نجم الحسن صاحب خانقاہ کے مختلف حصے دکھاتے جاتے تھے اور چشم تصور اتنیس سال کا فاصلہ طے کر کے یہاں وہ مقدس بزم سجی ہوئی دیکھ رہی تھی جس کے میر محفل حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ تھے اور جس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری، حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہم اور نہ جانے کیسے کیسے نادر روزگار حضرات اس شمع محفل کے گرد پروانہ وار تشریف فرما رہے اور یہاں سے نکل کر بقول مرشدی حضرت عارفی مدظلہم ان میں سے ایک ایک فرد کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ۔

مری آنکھوں میں چشم مست ساقی کا وہ عالم ہے ۔۔۔ نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں مے خوار ہو جائے

مسجد کے صحن میں بیٹھ کر خیال آیا کہ سیدی مرشدی ڈاکٹر حضرت محمد عبدالحی صاحب عارفی مدظلہم نے اپنی کتاب ''مآثر حکیم الامت'' کے آغاز میں خانقاہ کا پورا نقشہ اوراس کی تمام جزوی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، کتاب کے اس حصے کو یہاں بیٹھ کر پڑھنا چاہئے، چنانچہ ہم سب رفقاء نے وہاں بیٹھ کر اس کا اجتماعی مطالعہ کیا، اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت مدظلہم العالی کے درجات میں پیہم ترقی عطا فرمائے اورآپ کو بایں فیوض تادیر سلامت رکھے، آپ نے جس والہیت اور عاشقانہ جزرسی کے ساتھ اس خانقاہ کا نقشہ کھینچا ہے اس کی صحیح قدر وقیمت وہیں پہنچ کر معلوم ہوتی ہے، آج بھی چونکہ خانقاہ کی بیشتر

چیزیں اسی نقشہ کے مطابق ہیں اس لئے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت مدظلہم اس وقت ہم سے مخاطب ہیں اور تمام تفصیلات سمجھا رہے ہیں، اس خانقاہ کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ایسی نہیں ہے جو اس نقشے میں بیان ہونے سے رہ گئی ہو، اس تفصیل اور دقیقہ رسی کے ساتھ یہ منظر کشی صرف عشق ہی کرا سکتا ہے، یہ عقل وخرد کے بس کا روگ نہیں۔

دیکھنے میں یہ چھوٹی سی مسجد ہے جس کے اندرونی حصے میں کل تین صفیں ہوتی ہیں، صحن اور برآمدے بھی کچھ زیادہ کشادہ نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جگہ سے کیا عظیم الشان کام لیا کہ یہاں سے ایک ہزار کے لگ بھگ اعلیٰ درجہ کی تصانیف تیار ہوئیں، وعظ وارشاد کا ایک نرالا رنگ وجود میں آیا، حقائق ومعرفت کے دریا بہائے گئے، طریقت وتصوف کی تجدید ہوئی، علمی وعملی مشکلات کی گتھیاں سلجھائی گئیں، علوم نبوت کے عقدے وا ہوئے، ہزار ہا انسانوں کو حسن اخلاق ومعاشرت کے دلکش سانچوں میں ڈھالا گیا، شرافت وانسانیت کو نئی زندگی ملی، شریعت، عقل اور عشق کی حدیں قائم کی گئیں اور تینوں کے حسین ومتوازن امتزاج سے وہ مذاق زندگی وجود میں آیا جو اس آخری دور میں کتاب وسنت کی عملی تفسیر کا دوسرا نام ہے، ان تمام باتوں کے تصور نے حضرت والد صاحب کی وہ نظم ذہن میں تازہ کر دی جو اسی خانقاہ کے بارے میں کہی گئی تھی ؎

کبھی یہ جگہ منزل اولیاء تھی　　　فرشتوں کی محفل تھی، بزم ہدیٰ تھی
یہ مسکن تھی اک دن حکیم امم کی　　　ہوا اس کی ہر اک مرض کی دوا تھی
یہ چھوٹی سی بستی، یہ چھوٹی سی مسجد　　　یہ چھوٹی سی مجلس خدا جانے کیا تھی؟

خانقاہ سے نکل کر قبرستان کا رخ کیا، راستے میں پہلے ایک چاردیواری کے درمیان حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید قدس سرہ کا مزار تھا، پہلے وہاں حاضری ہوئی، یہ بڑے صاحب مقام بزرگ تھے جنہوں نے اپنے حالات ومقامات کو ظرافت کے پردے میں چھپایا ہوا تھا، ساری عمر خانقاہ میں بیٹھ کر اصلاح وارشاد میں گذاری اور جب ۱۸۵۷ء میں اللہ کیلئے جان وتن کی بازی لگانے کا وقت آیا تو خانقاہ کا یہ بوریہ نشین مجاہدین کی صف میں اپنے سر کا نذرانہ لئے سب سے آگے آگے تھا، یہاں تک کہ اسی جہاد میں جام شہادت نوش کر کے یہاں آسودہ ہو گیا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن　　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہاں سے ذرا آگے بڑھ کر وہ قبرستان شروع ہو جاتا ہے جو خود حضرت حکیم الامت قدس سرہ

نے وقف فرمایا تھا، اس قبرستان کے مغربی سرے پر ایک چبوترہ ہے جس پر تین کچی قبریں بنی ہوئی ہیں، ان میں سے پہلی قبر میں وہ مجدد وقت محوآرام ہے جس کے فیوض وبرکات نے اس چھوٹی سی بستی کو اس آخری دور میں رشک صد گلزار بنادیا، اس مزار مبارک کے سامنے بیٹھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے دنیا کے سارے غم وآلام کافور ہوگئے ہیں اور پوراوجود سکینت وطمانیت کی آغوش میں چلا گیا ہے، واردات وکیفیات اور حالات ومقامات تو بڑوں کی باتیں ہیں ہم جیسے بدذوق اور کوردل افراد کو ان کی تو کیا ہوا لگتی لیکن حضرت کے قدموں میں بیٹھ کر جو سکون خاطر نصیب ہوا ہے وہ میرے لئے اس سفر کی سب سے بڑی متاع تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا۔

کرتی جاتی ہے سرایت جان وقلب میں ان کی یاد رفتہ رفتہ جانے کیا سے کیا ہوا جاتا ہوں میں

نماز ظہر کا وقت قریب تھا، واپس خانقاہ کی مسجد میں آکر نماز ظہر ادا کی، نماز کے بعد دفعۃً خیال آیا کہ یہی وقت حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی مجلس عام کا ہوا کرتا تھا، چنانچہ قدم بے ساختہ حضرت کی نشست گاہ کی طرف اٹھ گئے، تھوڑی دیر مجلس کی جگہ بیٹھ رہا اور اس دل پر جو گذری اس کا اظہار لفظ وبیان کے ذریعے ممکن نہیں، میں سوچ رہا تھا کہ جس مقام پر ۴۸ سال گذر جانے کے باوجود سکینت وطمانیت، سوز وگداز اور انوار وبرکات کا یہ حال ہے وہاں اس وقت کا کیا عالم ہوگا جب یہ مجلس جہاں آرا زندہ وتابندہ تھی۔

ترے وصال کا عالم نہ جانے کیا ہوگا؟ ترے فراق کی لذت سے مرگئے ہیں لوگ

دل سے بے ساختہ دعا نکلی کہ یااللہ! آپ نے اس مجلس کی بدولت ہزارہا انسانوں کی زندگیاں بدلی ہیں، ہزاروں دلوں میں انقلاب پیدا فرمایا ہے اور یہاں سے ایسے ایسے لوگ پیدا فرمائے جنہوں نے اپنے فیوض وبرکات سے ایک عالم کو سیراب کیا، ہم اگرچہ ایسے وقت یہاں پہنچے ہیں جب یہ پاکیزہ مجلس برخاست ہوچکی، وہ جلوہ جہاں تاب روپوش ہوچکا، لیکن یااللہ! اس مجلس کو یہ تاثیر بخشنے والے آپ ہی تھے، اس مجلس کو انقلاب انگیز آپ ہی نے بنایا تھا اور آپ کی ذات حی وقیوم ہے، آپ کی وہ رحمت آج بھی زندہ وپائندہ ہے جو اس مجلس کے حاضرین پر نازل ہوتی تھی، اپنے فضل وکرم سے اس مجلس کے فیوض وبرکات کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمادیجئے اور ہم خستہ حالوں کو اس رحمت سے محروم نہ فرمایئے آمین یارب العلمین (از جہانِ دیدہ)

یادرفتگاں احسان قریشی صابری

حضرت مولانا مفتی محمد حسن قدس سرہ

حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ نے سفر کے دوران یکم جون ۱۹۶۱ء کو کراچی میں انتقال فرمایا اور پی ای سی ایچ ایس کراچی کے قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔مفتی صاحب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اور علماء دیوبند کے اس گروہ کی آخری نشانی تھے جنہوں نے قیام پاکستان کیلئے اپنا تن، من، دھن نچھاور کر دیا تھا، ان کو انتقال فرمائے آج ۱۶ سال گذر چکے ہیں، لاہور کا جامعہ اشرفیہ انہی کا لگایا ہوا پودا اور صدقہ جاریہ ہے جسے شیخ طریقت مولانا اشرف علی تھانوی کے نام نامی پر معنون کیا گیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کی ہستی اس پرفتن دور میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک تھی۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے وہ جاہ وجلال اور عظمت عطا فرمائی تھی کہ ان کے لاہور کے نیلا گنبد کے مکان میں چوتھی منزل پر اس دور کے بڑے بڑے لوگوں کو ان کی مجلس میں باادب بیٹھے دیکھا گیا ہے، سردار عبدالرب نشتر مرحوم (سابق گورنر پنجاب) مفتی صاحب کے دولت خانہ پر ہر پندرہ بیس روز بعد ضرور حاضری دیا کرتے تھے، الحاج خواجہ ناظم الدین سابق گورنر جنرل پاکستان بھی ایک دوبار وہاں حاضر ہوئے، آخر مفتی صاحب کے پاس کیا چیز تھی جس کیلئے عوام تو کیا خواص بھی سلام نیاز کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، وطن عزیز کے مشہور صحافی جس کے قلم سے بادشاہوں کے ایوان میں زلزلہ آجایا کرتا تھا، یعنی جناب حمید نظامی مرحوم بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس اکثر جایا کرتے تھے اور مفتی صاحب کو بھی نظامی صاحب کے ساتھ بے حد انس اور انتہائی محبت تھی۔

ایک بار سردار عبدالرب نشتر مرحوم سابق گورنر پنجاب مفتی صاحب کی رہائش گاہ واقع نیلا گنبد لاہور کی چوتھی منزل پر بیٹھے تھے تو مفتی صاحب نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کیا ہی اچھا ہے وہ امیر اور حاکم جو فقیر کے دروازے پر جا کر اس سے ملاقی ہو، کس قدر برا ہے وہ فقیر جو امیر یا حاکم کے دروازے پر جائے۔جن خوش قسمت حضرات کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت کے بشرہ پر نورانیت چمکتی تھی، اس پرآشوب زمانہ قحط الرجال میں مرحوم ایک مرد خدا اور صحیح معنوں میں اللہ والے تھے، افسوس! کہ یکم جون ۱۹۶۱ء کو کراچی میں علم و عمل، زہد و تقویٰ،

شریعت وطریقت، حقیقت اور معرفت کا یہ نیر تاباں غروب ہو گیا، ؎

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو　　ید بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی　　الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو　　وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

مجھے امرتسر میں (۱۹۳۵،۳۸ء کے ایام میں جب میں طالب علم تھا) مسجد نور میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درس قرآن میں شرکت کی سعادت کے مواقع ملے سینکڑوں بار درس میں حاضرین کی (خوف الٰہی سے) چیخیں نکلتی سنیں اور کتنوں کو تڑپتے دیکھا، حضرت کا درس قرآن قرون اولیٰ کے علماء کے درس کا نمونہ ہوتا تھا، مفتی صاحب سیف زبان تھے، ان کی زبان میں باری تعالیٰ نے وہ تاثیر اور شیرینی بخشی تھی کہ بقول مولانا روم ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

۱۹۳۸ء میں حضرت مفتی صاحب کے شیخ طریقت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ امرتسر تشریف لائے، موسم گرما اپنے شباب پر تھا، مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ (حال مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) اور راقم الحروف کے ذمے مولانا تھانوی کی خدمت تھی، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس مجلس میں امرتسر کے بہت سے علماء اور صوفیاء کرام جمع تھے اور مولانا تھانوی اس مجلس میں حضرت مفتی صاحب سے یوں مخاطب ہوئے:

محمد حسن! مجھ سے اکثر مجالس میں آج کل کانگریس اور مسلم لیگ کے سلسلہ میں سوالات کئے جاتے ہیں اور کئی اصحاب جناح صاحب کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں، میری عرض ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت جناح صاحب کے ہاتھ میں ہے، جناح صاحب سیاست میں مسلمانان ہند میں قابل ترین شخصیت مانے جاتے ہیں، مخالفین بھی مانتے ہیں کہ جناح صاحب سرکاری آدمی نہیں ہیں، ملک وقوم یعنی مسلمانان ہند کی آزادی کیلئے ان کے دل میں انتہائی تڑپ، ولولہ اور جذبہ ہے، اسی لئے برطانوی حکومت کے مقابلہ میں بھی اور کانگریس کے مقابلہ میں بھی انہوں نے ہمیشہ مسلمانان ہند کی بہتری کیلئے آواز بلند کی ہے، جناح صاحب کے خلاف کئی کم فہم مسلمان یہ غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ وہ جاہ پسندی کیلئے یہ سب کام کر رہے ہیں، ایسا غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کو شرم آنی چاہئے، اگر

جناح صاحب جاہ پسند ہوتے تو کسی خطاب یا عہدہ کیلئے کوشش کرتے جس کا ملنا ایسے قابل شخص کیلئے بہت ہی سہل تھا، لیکن جناح صاحب نے کبھی اس کی خواہش نہیں کی، وہ انتہائی دیانت دار اور مخلص مسلمان ہیں، ان کی کوششیں یقیناً کامیاب ہوں گی، باری تعالیٰ مسلمانوں کیلئے علیحدہ ریاست کے قیام کا سہرا ان شاء اللہ جناح صاحب کے سر باندھیں گے، میں نے اپنے تمام خلفاء، متبعین اور مریدین کو کہہ دیا ہے کہ ہر بات میں جناح صاحب کا ساتھ دیں محمد حسن! آپ بھی اس سلسلہ میں جو کچھ ہو سکے کر گذرنا۔

مولانا تھانوی کی ہدایت پر ہی مفتی صاحب نے امرتسر میں بعد میں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں خاموش لیکن بیش بہا کام کیا، مولانا تھانوی تو ۱۹۴۳ء میں انتقال فرما گئے لیکن مفتی صاحب نے ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۷ء کے چار سالوں میں مسلم لیگ کیلئے اپنی جدوجہد تیز تر کر دی، شیخ صادق حسین، شیخ محمد صادق، ابوسعید انور اور مولانا غلام محمد ترنم مرحوم نے بھی اس سلسلہ میں بیش بہا کام کیا تھا۔

مارچ ۱۹۵۲ء میں حضرت مفتی صاحب لاہور سے سیالکوٹ برائے علاج تشریف لائے، یہاں ان کو ایک مصنوعی ٹانگ لگائی گئی تھی کیونکہ اصلی ٹانگ خراب یا بیماری کی وجہ سے کاٹی جا چکی تھی، سیالکوٹ کے احباب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ بعد از نماز عصر وہاں بہت سے احباب حاضری دیا کرتے اور مجلس علم و عرفان گرم ہوتی، چند روز کیلئے مولانا محمد ادریس کاندھلوی بھی لاہور سے سیالکوٹ تشریف لے آئے تھے اور یہ مجلس نور علی نور ہو گئی تھی، اس واقعہ کو آج ۲۵ سال گذر چکے ہیں، لیکن اس کی چاشنی ابھی تک ہم لوگوں کے قلب و دماغ میں قائم ہے۔

اگست ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن اپنے شیخ مولانا تھانوی کی وفات کے بعد فاتحہ خوانی کیلئے امرتسر سے تھانہ بھون پہنچے، ان کے ساتھ ان کے چار دیگر شاگرد اور مریدین میں میں بھی شامل تھا، حضرت مفتی صاحب جب اپنے مرشد حضرت تھانوی کے مزار پر انوار پر پہنچے تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور دوسرے روز خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ ایم اے بی ٹی انسپکٹر مدارس لکھنؤ ڈویژن یکے از خلفائے مولانا تھانوی نے مفتی محمد حسن کو مخاطب کر کے یہ اشعار پڑھے۔

کوئی مزا مزا نہیں، کوئی خوشی خوشی نہیں — اس کے بغیر زندگی موت ہے، زندگی نہیں
دہر کی اب ہے انجمن تیرہ و تار اے حسن! — باعث نور تو ہی بن اوروں کو فکر ہی نہیں

دل میں لگا کے ان کی لو، کردے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں سو، بزم میں روشنی نہیں

مئی ۱۹۶۱ء کے آخری ہفتے میں مفتی صاحب بذریعہ طیارہ لاہور سے کراچی روانہ ہوئے، ان کی اہلیہ محترمہ بھی ساتھ تھیں، حاجی نور محمد بٹ صاحب کے مکان میں قیام پذیر ہوئے، ۳۱ مئی کو طبیعت خراب ہوگئی اور یکم جون ۱۹۶۱ء بروز جمعرات حرکت قلب بند ہوجانے سے کراچی میں ہی انتقال فرماگئے، نماز جنازہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نے پڑھائی اور ۲ جون کو کراچی کے پی ای سی ایچ ایس قبرستان میں دفن ہوئے۔

مفتی صاحب کی یوں تو بہت سی کرامات راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں مگر مرحوم کی زندہ کرامت لاہور میں جامعہ اشرفیہ کا قیام ہے، حضرت نے اس جامعہ کے اجراء، بہبود، ترویج وترقی اور ارتقاء کیلئے دن رات کام کیا اور اس کے معاوضے کے طور پر کبھی ایک پائی بھی قبول نہ فرمائی، حضرت کے توکل علی اللہ کا یہ ادارہ کرشمہ ہے، اس جامعہ اشرفیہ کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے اور اس میں سرکاری امداد کا ایک پیسہ بھی نہ تھا، سب کچھ عقیدت مند عوام، شاگردوں اور مریدوں نے مفتی صاحب کی دیانت، تقویٰ، خشیت الٰہی اور خالص دین کے جذبہ پر نچھاور کردیا۔

نوائے وقت کے بانی جناب حمید نظامی مرحوم سے بھی مفتی صاحب بے حد محبت فرماتے تھے اور نظامی صاحب کو بھی مفتی صاحب سے بے حد عقیدت اور پیار تھا، نوائے وقت پرنٹنگ پریس (نوائے وقت پرنٹرز) کا افتتاح بھی نظامی صاحب نے مفتی صاحب کے دست مبارک سے کرایا تھا، حمید نظامی مرحوم مفتی صاحب کے انتقال کے بعد کراچی جاکر ان کے مزار پرانوار پر فاتحہ پڑھ آئے تھے، عجیب بات یہ ہے کہ مفتی صاحب کے انتقال کے بعد حمید نظامی ہمیشہ کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کوئی اندرونی غم ہے، اپنی عادت کے خلاف حمید نظامی مرحوم نے دو تین بار صوفیانہ بزم سماع میں بھی جناب شورش کاشمیری کی معیت میں شرکت کی، آخر کار مفتی صاحب کے وصال کے صرف ۸ ماہ بعد ہی حمید نظامی بھی انتقال فرماگئے، جون ۱۹۶۱ء میں پاکستان ایک ولی اللہ، قطب زمانہ اور کامل درویش سے محروم ہوگیا اور ۸ ماہ بعد فروری ۱۹۶۲ء میں وطن عزیز ایک عظیم صحافی، بے باک قلم کار اور نڈر لیڈر سے محروم ہوا۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت ۲ جون ۱۹۷۷ء)

مفتی محمد طاہر مسعود مدظلہم سرگودھا

طلبہ حدیث کو چند نصیحتیں

(۱) سب سے قیمتی ترین متاع ایمان ہے اس کی ہر قیمت حفاظت کرے، اس کو ضائع ہونے سے بچائے اور اس کی ترقی اور اضافہ کی فکر کرتا رہے۔

(۲) تقویٰ اختیار کرے اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچے، اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرے اور اپنے اللہ کو راضی کرے۔

(۳) اللہ عزوجل اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمانی وقلبی تعلق کو تمام تعلقات پر فوقیت دے کہ ہر قول وعمل سے اس کا اظہار ہو۔

(۴) پڑھنے پڑھانے سے خدمت دین اور رضائے حق کو مقصود سمجھے، دنیاوی منفعت اور کسی قسم کا کوئی لالچ خاطر میں نہ لائے۔

(۵) ہر قسم کے نام ونمود، سمعہ اور ریا سے بچے، اخلاص وللّٰہیت کا دامن کبھی نہ چھوڑے۔

(۶) زندگی بھر دین کی خدمت کا عزم رکھے اور اس میں اپنے اکابر رحمہم اللہ کے طریق اور مزاج سے انحراف نہ کرے، انہیں کے طریق پر خدمت دین کرے۔

(۷) اکابر سے حسن ظن کو شیوۂ زندگی بنائے، ان کی تحقیقات کے خلاف تحقیق وفکر کو گمراہی خیال کرے۔

(۸) دین کا صحیح کام کرنے والے تمام افراد اور تمام جماعتوں کو اپنا رفیق سمجھے فریق نہ سمجھے، کسی سے الجھاؤ مت پیدا کرے۔

(۹) اپنے اساتذہ اور محسنین کا زندگی بھر ممنون رہے، کوئی ایسا عمل یا قول اختیار نہ کرے کہ جس سے ان کو ایذاء پہنچے یا وہ رنجیدہ خاطر ہوں۔

(۱۰) کسی کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق اظہار خیال کرنا ہو تو اس کو مجلس میں موجود تصور کر کے رائے دیں تاکہ غیبت، بہتان اور جھوٹ وغیرہ ناجائز امور سے بچ سکے۔

(۱۱) دین کی خدمت کے سلسلے میں جو کام میسر آئے اخلاص کے ساتھ اس میں لگ جائے، یہ نہ دیکھے کہ یہ کام چھوٹا ہے یا بڑا، شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ سے بندہ نے

سنا، فرمایا کہ میں نے فارغ ہونے کے دو سال بعد تک نورانی قاعدہ پڑھایا۔

(۱۲) تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کرے، اس سے مزاج تحقیقی بنتا ہے۔

(۱۳) کسی اللہ والے سے ضرور تعلق رکھے اور ان سے اصلاح ظاہر وباطن کرواتا رہے۔

(۱۴) کوئی کام مشورہ کے بغیر نہ کرے، ہر کام کی نوعیت کے اعتبار سے ان کے اہل سے مشورہ کرتا رہے۔

(۱۵) حقوق العباد کا معاملہ انتہائی اہم ہے، کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھے۔

(۱۶) علم اور شریعت عمل کیلئے ہیں، عمل کرنے کی نیت سے علم حاصل کرے اور ہر معاملہ میں احکام شرعیہ کو مقدم رکھے۔

(۱۷) وعظ اور تلقین میں بھی اپنے نفس کو اول حیثیت میں مخاطب بنائے اور سامعین کو ثانوی حیثیت میں مخاطب بنائے۔

(۱۸) کسی گناہ کی مجلس میں ہرگز شریک نہ ہو، جانے کے بعد وہاں گناہ کا علم ہوا اور اس کو روک سکے تو روک دے ورنہ اٹھ کر چلا جائے۔

(۱۹) وقار علمی کا لحاظ کرے، ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے وقار علمی مجروح ہو یا اس پر دھبہ لگے، علم یا اہل علم بدنام ہوں۔

(۲۰) وقت قیمتی ترین متاع ہے اس کو کسی طور پر بھی ضائع نہ کرے، وقت کو کسی نہ کسی طرح کارآمد بنائے رکھے۔

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست — ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

دعاء مغفرت کی درخواست

۲۸ رجمادی الثانیہ بروز منگل حضرت قاری غلام رسول صاحب مدرس جامعہ ہذا کے بڑے بھائی جناب محمد رمضان صاحب انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی محمد عبداللہ متخصص جامعہ ہذا کے والد محترم ۱۵ ررجب المرجب بروز جمعہ رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعاء کی درخواست ہے۔

خواتین کا صفحہ تلخیص مولوی عبدالملک ترمذی

عورت کا فرض

افادات: حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کائنات عالم میں ہر مخلوق کے کچھ فرائض ہیں جن کی بجا آوری کیلئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کرنا اس کا اولین اور آخری منصب ہے، اپنے فرائض سے ناواقف انسان جانور سے اور جانور جمادات سے بدتر شمار کیا جاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان عورت کا اصلی فرض کیا ہے اور اس کی وجہ سے اس پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ اس کے بعد تمام بہنوں سے بہت ادب کے ساتھ عرض کرنا ہے کہ وہ اپنے فرض کو پہچانیں اور اس پر عمل پیرا ہوں، ورنہ دوسرے کاموں میں لگ کر اگر وہ اپنے فرض سے غافل رہیں تو وہ اپنی زندگی ہی ضائع نہیں کر رہی ہیں بلکہ قوم کو بھی تباہی کے گڑھے میں دھکیل رہی ہیں۔

مرد وعورت کا سب سے پہلا اور مشترکہ فرض ایمان، اعمال صالحہ، اسلامی اخلاق، جائز معاملات پر عمل، ناجائز سے احترازاور ہر ہر گناہ سے پرہیز اور پھر ان سب باتوں کا علم حاصل کرنا ہے جن کے بغیر یہ کام ناممکن ہیں، اس فرض کے ہر شعبہ کو جاننے کیلئے حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''بہشتی زیور'' ہے، ہر عورت کیلئے یہ بات انتہائی ناگزیر ہے کہ اس کتاب کے ہر حصہ کا مطالعہ کرے، لیکن افسوس کہ ایسی عورتیں بہت کم ہیں جنھوں نے بہشتی زیور کو راہ عمل تجویز کیا ہے۔

ماں ہونے کی حیثیت سے عورت کا فرض

اس کے بعد عورت کے دو خاص فرض اور ہیں ایک بیوی بننا اور دوسرے ماں بننا، ہر عورت کو اگر زندگی اور توفیق الٰہی شامل حال ہے تو وہ ان دونوں فرائض کی اہل بن جاتی ہے جن کی وجہ سے اس پر چند اور فرائض بھی عائد ہوتے ہیں، میں اس وقت دوسرے فرض ماں بننے کے متعلق ذرا تفصیل سے بیان کرتا ہوں کیونکہ ملک اور قوم کی تمام تر ترقی کا مدار اسی فرض پر ہے، اگر ماں صحیح ماں، اصلی خیر خواہ اور حقیقی نظر رکھنے والی ہو تو اولاد پر اس کا وہ اثر ہوگا کہ دنیا اس کی مثال نہ دکھا سکے گی اور اگر ماں میں ذرا سی بھی کوتاہی باقی رہی تو وہ اولاد میں کئی گنا ہو کر ظاہر ہوگی اور یہی اولاد ملک وقوم ہے تو قوم کی قوم تباہ ہو جائے گی۔ ماں ایک ماں ہی نہیں ہے بلکہ بہت سے محسنوں، بڑے منعموں اور بڑی باکمال ہستیوں کا مجموعہ ہے کیونکہ وہ خود جتنی باکمال ہوگی اس کی اولاد اتنی ہی باکمال ہوگی، تو گویا وہ سب خوبیوں کا مجموعہ ہوئی، اس لئے

ہر لڑکی کو جو ایک وقت ماں بننے والی ہے ان تمام کمالات میں بے مثال ہونا ضروری ہے کیونکہ اسی کے کامل ہونے سے ملک وقوم باکمال اور ناقص ہونے سے ملک وقوم ناقص اور زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔

ایمان سب سے بڑی دولت ہے جو انسان کو حاصل ہوسکتی ہے، جس پر جان، عزت، مال بلکہ ساری دنیا تک کا قربان کردینا ہر آدمی کا فرض ہے، لیکن یہ دولت اگر مال سے حاصل ہوسکتی تو دنیا کے غیر مسلم مالداروں کو بھی ہوتی، اگر طاقت وقوت سے حاصل ہوسکتی تو بڑی طاقت وقوت والے کافروں کو بھی مل جاتی، اگر عزت وجان سے حاصل ہوسکتی تو فرعون صفت بادشاہ کو بھی مل سکتی، یہ صرف ماں کے ہی لطف وکرم کا صدقہ ہے کہ ہم مسلمان اہل جنت اور خدائے قدوس کے خاص بندوں میں داخل ہوگئے ہیں، ہر ماں اس نعمت کا ذریعہ ہے۔

عورت کمال ایمان کا ذریعہ

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ذریعہ جتنا قوی ہوگا اتنی ہی قوی نعمت ہوگی اور ذریعہ جتنا کمزور ہوگا اتنی ہی یہ نعمت بھی کمزور ہوگی، اس لئے ہر ماں اور ہونے والی ماں کو یہ سوچنا ضروری ہے کہ وہ اس بے مثال اور لازوال نعمت کا ذریعہ ہے، اس نعمت کے قوی اور کمزور ہونے میں اسی کو دخل ہے، اگر خود اس کا ایمان انتہا درجہ کا قوی تو اس کی اولاد کا ایمان بھی قوی ترین ہے اور اگر اس کے ایمان میں ذرا سی بھی کمزوری ہے تو یہ اولاد کے ایمان کی کمزوری کا سبب ہے اور عجب نہیں کہ اس کمزوری کی وجہ سے کسی کے ایمان سے پھرنے کا احتمال پیدا ہو جائے تو بتایئے تو سہی اس کی ذمہ داری کس کس پر ہوگی؟ اس میں شک نہیں کہ نیک اعمال، عبادات، حلال وحرام، معاملات اور اسلامی اخلاق تعلیم سے ہی حاصل ہوسکتے ہیں لیکن دنیا جانتی ہے کہ علم حاصل کرلینا اور بات ہے اور اس پر عمل پیرا ہو جانا دوسری بات ہے، مشکل کام عمل ہے، دنیا میں جتنے علوم ہیں محض ان کے علم سے ان کی عملی صورتیں عمدہ اور آسان نہیں ہو جاتیں، لکڑی کا کام، لوہے کا کام، معماری کا کام بلکہ دنیا کا ہر کام سننے اور اس کے قواعد معلوم کرنے کے ساتھ آسانی سے نہیں آسکتا اور نہ ہی اس میں حسن آتا ہے جب تک کسی معلم سے اس کا علم حاصل کرکے پھر کسی استاد کی مدد سے اس پر عمل کی مشق نہ کی جائے اور مشق کی زیادتی سے عمل کی رفتار تیز نہ کی جائے، پھر سہولت سے علم وعمل آجاتا ہے اور اس میں تیزی سے حسن آنے لگتا ہے۔

ماں ان تمام اعمال وعبادات، اخلاق ومعاملات اور تہذیب وشائستگی کی معلم اول ہے، لیکن کوئی بھی اس سے واقف نہ ہوگا کہ کیا کسی علم وعمل کا معلم وہ ہوسکتا ہے جو اس علم وعمل میں کافی مہارت

نہ رکھتا ہو؟ اگر معلم و استاد ایسا ہوگا تو آپ خود دیکھ لیجئے کہ وہ کیسی تباہی کا سبب بنے گا، لہٰذا ماؤں اور آئندہ ہونے والی ماؤں کو یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ انہیں ایسا معلم اور ایسا استاد بننے کیلئے عبادات و معاملات، اخلاق وتہذیب میں کتنا ماہر ہونے کی ضرورت ہے، اور اگر اس مہارت میں ذرہ برابر بھی کمی رہ گئی تو کتنی تباہ کن ثابت ہوگی، اس لئے ہر لڑکی کو خود اور اس کے سرپرستوں کو ان تمام امور میں مہارت پیدا کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ قومی تباہی کے اسباب کو دعوت دینا ہے۔

عورت بہترین اتالیق ہے

بچوں کی تعلیم وتربیت سے سبھی واقف ہیں مگر اتنا تو سب جانتے ہیں کہ جب تک بچے کیلئے مستقل چوبیس گھنٹے کوئی نگران، اتالیق نہ ہو بچے کی تربیت اچھی نہیں ہوسکتی اسی لئے بعض ہوشمند لوگوں کا معمول ہے کہ وہ بچوں کیلئے مستقل اتالیق رکھتے ہیں، لیکن نہ ہر شخص کا یہ نظریہ اور نہ حوصلہ، نہ گنجائش، اس فرض کو بھی ماں ہی بخوبی انجام دے سکتی ہے، وہ ایک عمدہ اور ہر وقت ساتھ رہنے والی اتالیق ہے، لیکن اتالیق ہونے کیلئے خود کو بھی ان تمام برائیوں سے پرہیز کرنا ہوگا جن سے بچوں کو بچانا ضروری ہے اور ان تمام بھلائیوں کو کرنا ضروری ہے جو بچوں میں پیدا کرنی ہیں، پھر عورت کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں بری عادات کے چھڑانے اور اچھی عادات کے پیدا کرنے کا سلیقہ بھی ہو، اتالیق ماں میں بھی ان سب باتوں کا ہونا ضروری ہے اور ابتدا سے آخر تک اس مہارت کی کوشش کی ضرورت ہے۔

عورت بحیثیت مرشد

نیک صحبت ہر بچہ کیلئے انتہائی ضروری ہے اور بری صحبت خواہ ایک منٹ کی ہو نیک صحبت کے برسہا برس کے اثر کو خاک میں ملا دیتی ہے، جس ماں کی گود اور اس کی نظر میں برابر پرورش ہوگی اس سے زیادہ صحبت کیا مل سکے گی، اگر ماں انتہائی نیک، متقی، پرہیزگار اور خدا رسیدہ ہے تو بچوں پر بھی نیک اثر ہوسکتا ہے، اگر ماں میں ایک بدی بھی ہوئی تو بچوں پر دوسرے نیک اثرات کا قلع قمع کرنے کیلئے کافی ہے، اس لئے ہر ماں اور آئندہ ہونے والی ماں کو انتہائی نیکی اور پارسائی کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ اس کی ایک کوتاہی بھی انتہائی خطرناک ثابت ہوگی، اس لئے ماں کی شفقت ایک بڑے خدا رسیدہ بزرگ کی ہمنشینی کا کام بھی دیتی ہے، تو ماں کو ایسا بھی ہونا چاہئے۔

دین کی باتیں سن لینے، پڑھ لینے سے دل کی گہرائیوں میں نہیں پہنچتی ہیں، یہ کام پیر کا ہے کہ دل میں ایسا جما دے کہ ان سے ایک منٹ کی بھی غفلت نہ ہوسکے، اسی لئے لوگ اپنے دین کو مضبوط

کرنے کیلئے بڑے بڑے صاحب نسبت پیر تلاش کرتے ہیں اوران سے اصلاح کراتے ہیں، لیکن ہر شخص کا تجربہ ہے کہ ماں بچپن سے جو بات بٹھا دیتی ہے وہ آخر وقت تک نہیں نکلتی ،اس لئے اگر ماں انتہائی نیک ہوگی تو وہ دین کو دل میں ایسا جما دے گی کہ ان شاء اللہ پھر تا قیامت ٹس سے مس نہ ہوگا، لہٰذا ماں ایک زبردست پیر بھی ہے، آپ حضرات سب جانتے ہیں کہ ایک پیر کیلئے کن کن باتوں کی ضرورت ہے، اس کو کتنا دین کا غمخوار، کتنا عمل، کتنے ورد و وظائف اور کتنا خدا رسیدہ ہونا چاہئے ،تو یہی سب باتیں ایک ماں کیلئے بھی ضروری ہیں، اگر پیر میں خلل ہوگا تو مرید گمراہی کے گڑھوں میں نظر آئیں گے،اس طرح اگر ماں میں کوئی خلل ہوگا تو اولاد اور پھر قوم کی قوم تباہی کے گھاٹ اتر جائیگی۔

عورت کی برائی کا اثر اس کی اولاد میں

انسانی طبیعت مانوس ہونے والی طبیعت ہے،اگر کسی انسان نے کوئی گناہ،رسم،بری بات یا بری عادت سنی اور دیکھی نہ ہو اس طبیعت میں نفرت ہوتی ہے اور دیکھنے سننے سے وہ نفرت کم ہوجاتی ہے،اور اگر کسی وقت وہ عمل میں آجائے تو دل سے نفرت بھی نکل جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سور کھانے سے جو نفرت ہم محسوس کرتے ہیں وہ شراب کے نام سے نہیں کرتے ، کیونکہ ہم سنتے ہیں کہ بعض لوگ شراب میں مبتلا ہیں اور جن گناہوں سے متعلق ہم یہ سنتے ہیں کہ ان میں بہت لوگ مبتلا ہیں ان کی نفرت شراب سے بھی کم ہوتی ہے اور جن گناہوں میں ہم خود مبتلا ہو چکے یاد رہے کہ ان کی نفرت نہ ہونے کے برابر ہو چکی ہے، اگر مائیں کسی رسم، بدی یا کسی بری عادت میں مبتلا ہوں گی تو اولاد میں اس سے نفرت نہیں ہوگی اور عجب نہیں کہ وہ اس سے مانوس ہوکر ہمیشہ کیلئے ان کی تباہی کا سبب بن جائے،اگر آپ تحقیق کریں تو بہت سے گناہوں کا سبب یہی ہے، اس لئے مائیں اور ہونے والی مائیں جب تک اپنے دلوں میں ان سب برائیوں سے نفرت نہ کرنے لگیں اس وقت تک اولاد اور پھر قوم سے برائیاں دور ہونا مشکل ہے۔

تمام عورتوں کو نصیحت

اس لئے تمام بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے موجودہ یا آئندہ فرض کو محسوس کریں اور اس کے مقام کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور خود کو ایسا سچا، پکا، مخلص ، پرہیز گار بنائیں جس سے اولاد اور پھر ساری قوم سنور سکے اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری ہر ایک کوتاہی صرف تمہارے دینی و دنیوی تباہی کا سبب نہیں ہے بلکہ نسل در نسل اولاد اور پھر اسی طرح سارے ملک قوم کی تباہی کا سبب ہے،اگر تم اپنی جان، آبرو اور مال پر رحم کھا کر خود کو نہیں سنبھالتیں تو ساری قوم پر تو رحم کھائیں کیونکہ پوری قوم کی ذمہ داری تمہارے سر پر ہے (مقالات)

الاستفتاء

شراب کا بطور دوا استعمال کرنا

سوال: شراب برانڈی بوقت دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب دوسری دوا نہ ملے تو طبیب مسلم عادل کے بتلانے پر بقدر حاجت استعمال جائز ہے، واللہ اعلم۔

ناپاک چھری آگ کے بغیر پاک ہوسکتی ہے؟

سوال: چھری حرام مویشی کے اوپر چلائی گئی ہے وہ آگ کے بغیر پاک ہوسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: پانی سے دھوکر بھی پاک ہوجاتی ہے واللہ اعلم۔

والی بال کھیلنے کا حکم

سوال: والی بال کھیلنے میں امام کیلئے کیا حکم ہے کھیل سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مکروہ، ہر شخص کیلئے بوجہ تشبہ بالفساق واللہ اعلم۔

مردہ جانور کے دودھ کا حکم

سوال: بکری یا گائے اگر حرام ہوجائے تو اس کے پستانوں کا دودھ پاک ہے یا نہیں؟

جواب: حلال جانور کا دودھ جو مرنے کے بعد اس کے تھنوں میں موجود ہو وہ پاک ہے (کذا فی الشامیہ ص۱۴۴ ج۱) واللہ اعلم۔

مردار کے بالوں کا حکم

سوال: مردار کے بال پاک ہیں یا نہیں؟

جواب: مردار کے بال پاک ہیں واللہ اعلم۔

قربانی کی کھال مسجد پر لگانا جائز نہیں

سوال: قربانی کی کھالیں مسجد پر لگ سکتی ہیں یا نہیں؟

جواب: قربانی کی کھالیں مسجد پر نہیں لگ سکتیں واللہ اعلم۔

سید عبدالشکور ترمذی ۲۳/ذوالقعدہ ۱۳۸۱ھ

تعارف وتبصرہ

نام کتاب ...... آداب اسلام ...... مرتب ...... جناب صوفی محمد اقبال قریشی زید مجدہ ...... صفحات ۶۴
قیمت ...... ۱۸ روپے کے ڈاک ٹکٹ ...... ناشر ...... ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر

مذہب اسلام ہی وہ واحد عالمگیر مذہب ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق طریقۂ کار اور آداب بتلائے یہی وجہ ہے کہ اس بات کا اعتراف اپنے تو کیا اغیار بھی کرتے ہیں جبکہ دوسرے ادیان باطلہ میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔

پیش نظر کتاب بھی اسی موضوع پر مختصر مگر جامع ترین کتاب ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب نے بڑی محنت سے اس کو مرتب کیا ہے ترتیب بھی عمدہ ہے اور ہر خاص و عام کیلئے یکساں مفید ہے۔ (عابد محمود حقانی)

نام کتاب ...... معارف رحیمیہ ...... مرتب ...... ڈاکٹر رانا محمد اشرف صاحب ...... صفحات ۱۵۰
قیمت ...... ۴۵ روپے ...... ناشر ...... ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ جس شخص کو اہل اللہ کی صحبت میسر ہو جائے تو اس کی زندگی میں ایک ایسا انقلاب رونما ہو جاتا ہے جو عملی زندگی کو یکسر بدل دیتا ہے، جس طرح یہ تبدیلی صحبت اہل اللہ سے واقع ہوتی ہے اسی طرح اہل اللہ کے ملفوظات سے بھی ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب بھی دو اہل اللہ حضرات رائے پوری اول وثانی کی مبارک سوانح اور ملفوظات طیبہ سے مزین ہے، جس کا پڑھنا عملی زندگی اپنانے کیلئے انتہائی مفید ہے کیونکہ جو عمل اکابر کی اقتداء کے بغیر کیا جائے وہ نفس کا دھوکہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں کتاب بے حد نافع اور مفید نصائح سے بھری ہوئی ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے بڑی ہی عرق ریزی سے تین حصص پر مرتب کیا ہے، حصہ اول حضرت رائے پوری اول کی سوانح پر مشتمل ہے، حصہ دوم حضرت رائے پوری اول کے ملفوظات سے لبریز ہے، حصہ سوم حضرت رائے پوری ثانی کی سوانح وملفوظات پر مشتمل ہے۔

کتاب ہذا میں بعض جگہ کتابت کی غلطیاں ہیں امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں درست کر دی جائیں گی۔ (عابد محمود حقانی)

سید عبدالناصر ترمذی

اخبار الجامعہ

۲؍رجب المرجب: صدر جامعہ نے مدرسہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا میں منعقدہ تقریب ختم مشکوٰۃ شریف میں بیان فرمایا۔

۳؍رجب المرجب: حضرت مولانا عبدالغفار تونسوی صاحب جامعہ میں تشریف لائے اور تین دن طلبہ کو رد رافضیت اور دیگر فرق ضالہ سے متعلق اسباق پڑھائے۔ اور صدر جامعہ اسلام آباد تشریف لے گئے اور سیدی وسندی حضرت اقدس نواب محمد عشرت علی خان قیصر دامت برکاتہم کی مجلس میں حاضری دی اور حضرت والا کے حکم پر محبت اہل اللہ کے حوالے سے مختصر مگر جامع و پر مغز بیان بھی فرمایا، بعد مغرب مری کے نواح میں منعقدہ ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔

۴؍رجب المرجب: حضرت اقدس نواب صاحب دامت فیوضہم نے صدر جامعہ کو اپنی رہائش گاہ پر ملاقات کا وقت دیا اور تقریباً ایک گھنٹہ کی خصوصی مجلس سے نوازا۔

۶؍رجب المرجب: صدر جامعہ نے مدرسہ فتح العلوم چنیوٹ میں تقریب ختم بخاری شریف کے موقع پر آخری حدیث کا درس دیا اور بعد مغرب جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔

۹؍رجب المرجب: جامعہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی کا ماہانہ اصلاحی درس مفتی محمد محسن صاحب مدظلہم مدرس جامعہ ہذا نے دیا۔

۱۰؍رجب المرجب: صدر جامعہ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا کے جلسہ اختتام بخاری میں شرکت کیلئے کبیر والا تشریف لے گئے اور مختصر بیان بھی فرمایا۔

۱۵؍رجب المرجب: صدر جامعہ نے بعد نماز مغرب ۱۲ میل نزد کبیر والا تقریب ختم بخاری کے موقع پر بعد مغرب بیان فرمایا۔

۱۶؍رجب المرجب: جامعہ میں درجہ حفظ کے طلباء وطالبات کا وفاق کا امتحان ہوا۔

۱۷؍رجب المرجب: صدر جامعہ نے جنڈانوالہ تقریب ختم بخاری شریف میں شرکت فرمائی۔

۱۸؍رجب المرجب: ۱۴؍اگست کے موقع پر جامعہ میں ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں صدر جامعہ نے پرچم کشائی کی اور خطاب کیا، دیگر حضرات نے بھی مختلف زبانوں میں مقالات پیش کئے۔